24تا30اپریل 2008ء/17تا23ربیع الثانی 1429ھ

آئینہ
شہادتِ حق کی ذمہ داری
اسلام دشمنی: مغرب کے اہداف کیا ہیں؟
ڈھول دھپا اِس سراپا ناز کا شیوہ نہ تھا
......محمد مصطفیٰ کے ساتھ چلنا ہے
ایران میں اسلام مٹانے کی تحریک
اختلاف رائے یا دین میں وسعت
ابھی سے سوچ لو!
حکومت کیا کرے؟

اسلام اور جاہلیت

حقائق اور دلائل کا فیصلہ (جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں) یہ ہے کہ صحیح اور برحق مذہب 'اسلام' ہے، اس کے سوا جو کچھ ہے، جتنے مذاہب اور نظامہائے فکر و عمل ہیں، ان میں سے کوئی نہیں جسے پوری طرح حق کہا جاسکے۔ اس کے اندر حق کے اجزاء تو موجود ہو سکتے ہیں لیکن سب کچھ حق نہیں ہو سکتا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ یا تو سر سے پیر تک غلط ہو گا یا پھر غلط اور صحیح کا ملغوبہ ہوگا۔ ایسے تمام مذاہب اور نظامہائے فکر و عمل کی تعبیر کے لیے ایک جامع لفظ 'جاہلیت' ہے۔ 'جاہلیت' اسی ایک کامل سچے مذہب، اسلام کی ایک اصطلاح ہے، اور اس سے مراد مذہبی یا اخلاقی نوعیت کی ہر وہ چیز اور طور طریقہ ہے جس کا سرچشمہ اللہ کا دین، یعنی اسلام نہ ہو۔ ایسی ہر چیز کو جاہلیت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد، کم از کم اسلام کی نگاہ میں، اللہ تعالیٰ کی کسی ایسی ہدایت پر نہ ہوگی جو بے آمیز اور معتبر ہو۔ بلکہ براہِ راست یا بالواسطہ، اس کے ماننے والوں کے اپنے جذبات اور اپنی ذاتی پسند پر ہوگی، اور عربی زبان و ادب کی رو سے اسی بے لگام اتباعِ جذبات کا نام جاہلیت ہے۔

معرکہ اسلام و جاہلیت

مولانا صدرالدین اصلاحی

الھدیٰ (318)

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ الانعام

(آیات 114-115)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا ط وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ج وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۱۵﴾﴾

”(کہو) کیا میں اللہ کے سوا اور منصف تلاش کروں حالانکہ اُس نے تمہاری طرف واضح المطالب کتاب بھیجی ہے۔ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات) دی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق نازل ہوئی ہے۔ تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ اور تمہارے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پُوری ہیں۔ اُس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور وہ سُنتا جانتا ہے۔“

پہلے بھی ذکر ہوا کہ قریش مکہ اللہ کو تو مانتے تھے مگر کچھ دوسروں کو بھی انہوں نے معبود بنا رکھا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی اُن کے بتوں کی حیثیت تسلیم کریں، تو آپ اُن کو یہ جواب دے رہے ہیں کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی کو حکم بناؤں، دیکھو، جیسے تم اپنا رب مانتے ہو، میں بھی اسے اپنا رب تسلیم کرتا ہوں۔ باقی جو تم نے گھڑ لئے ہیں، اُن کے لئے کوئی سند ہو تو پیش کردو، میں ماننے کو تیار ہوں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، اے پیغمبر کہہ دیجئے، اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اُسے پوجتا۔ جب میں اللہ کی پرستش کرتا ہوں تو اللہ کا بیٹا ہوتا تو میں اُس کو کیوں نہ پوجتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں۔ قرآن کا یہ سمجھانے کا فطری انداز ہے کہ غور کرو، اپنے گریبان میں جھانکو، خود ہی یہ حقیقتیں تمہیں نظر آ جائیں گی۔ میں اللہ کے سوا کسی اور کو کیسے حَکم بنالوں جب کہ اللہ وہ ہستی ہے کہ جس نے تمہاری طرف ایک بڑی مفصل کتاب نازل کردی ہے۔ اور جنہیں ہم نے پہلے کتاب دی تھی، وہ جانتے ہیں کہ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتے۔ تو اے نبی ﷺ یہ کتاب بالتحقیق حق کے ساتھ آپ کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ پس تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہو جانا۔

اور آپ کے رب کی بات تو سچائی اور عدل پر مبنی ہونے کے اعتبار سے درجۂ تمام وکمال کو پہنچ چکی، یعنی مکمل اور کامل ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر بات سچی اور عدل پر مبنی ہے۔ اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے۔

فرمان نبوی

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

واعظ بے عمل

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ ؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ: ((یَقُوْلُ یُجَاءُ بِالرَّجُلِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُہٗ فِی النَّارِ فَیَدُوْرُ کَمَا یَدُوْرُ الْحِمَارُ بِرَحَاہُ فَیَجْتَمِعُ اَھْلُ النَّارِ عَلَیْہِ فَیَقُوْلُوْنَ اَیْ فُلَانُ مَاشَانُکَ اَلَیْسَ کُنْتَ تَاْمُرُنَا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَانَا عَنِ الْمُنْکَرِ؟ قَالَ کُنْتُ اٰمُرُکُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اٰتِیْہِ وَاَنْھَاکُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاٰتِیْہِ)) (متفق علیہ)

حضرت اسامہ بن زید ؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ”قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا اور اسے آگ میں ڈالا جائے گا۔ دوزخ میں اس کے پیٹ کی آنتیں (دبر سے) بہت جلد باہر نکل آئیں گی۔ وہ ان کے اردگرد اس طرح چکر لگائے گا جیسے گدھا چکی کے گرد چکر لگاتا ہے۔ دوزخی اس کے گرد جمع ہو کر پوچھیں گے، اے فلاں! یہ تیرا کیا حال ہے؟ کیا تُو (دنیا میں) ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے نہیں روکتا تھا؟ وہ جواب میں کہے گا: (ہاں یہ سچ ہے) میں تمہیں نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن اس پر عمل نہ کرتا تھا۔ میں تمہیں تو برائی سے روکتا تھا لیکن خود اس برائی میں مبتلا تھا (اس لیے یہ سزا بھگت رہا ہوں)۔“

تشریح: ”معروف“ سے مراد اسلام کے وہ احکام اور اوامر ہیں جن پر عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور منکر سے مراد وہ گناہ اور برائیاں ہیں جن سے دور رہنے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔ یہ حدیث ایک لمحہ فکریہ ہے ان لوگوں کے لیے جو دین کی دعوت اور تبلیغ کا کام کرتے ہیں۔ علماء اور دینی جماعتوں کے افراد کو چاہیے کہ وہ اس ”معروف“ پر خود بھی عمل کریں جس کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور اس ”منکر“ سے اجتناب کریں جس سے لوگوں کو روکتے ہیں ورنہ قیامت کے دن وہ اس سزا کے مستحق ہوں گے جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔

تا خلافت کی بِنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 — 24 تا 30 اپریل 2008ء — 17 تا 23 ربیع الثانی 1429ھ — شمارہ 17

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

سید قاسم محمود - ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان - محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' **طابع**: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرون پاکستان

انڈیا ------------------ (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)

ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے
سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینہ

ایسا ملک جہاں سیاست دان گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہوں، جہاں راتوں رات سیاسی جماعت جنم لے اور صبح کو وہ اسمبلی کی اکثریتی جماعت بن جائے، جہاں یہ حال ہو کہ اس کے باوجود کہ تمام سُفراء وزارتِ خارجہ کے تحت ہوتے ہیں اور سیکرٹری خارجہ اُن کا افسر ہوتا ہے، امریکہ میں متعین پاکستان کے سفیر کو ملک کا گورنر جنرل پاکستان طلب کر کے وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان اُس کی خدمت میں پیش کر دے اور اسمبلی کی اکثریت اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لے، اور تو اور ایک ایسے شخص کو اِس بدقسمت ملک میں وزیر اعظم بنا دیا جائے جو پاکستانی نژاد تو ہو لیکن اُس کے پاس پاکستان کا شناختی کارڈ بھی نہ ہو اور کبھی کبھار بڑوں کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے پاکستان آتا ہو، فوجی جرنیل جاگنگ کرتے ہوئے جب چاہیں صدارتی محل میں داخل ہو جائیں، اور شاید ٹرپل ون بریگیڈ تو قائم ہی اِسی کام کے لئے کیا گیا، تو ایسے ملک کی سیاسی ابتری اور بدحالی کو جاننے کے لئے کسی دانشوری کی ضرورت نہیں۔ شورش کاشمیری مرحوم پاکستانی سیاست پر ایک شعر کہہ گئے۔ یہ شعر پاکستان کی بے حیا سیاست پر اتنا موزوں ہے کہ ایک دینی پرچہ میں اُسے نقل کرتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ پاکستان کا کوئی ایک حکمران بھی سوائے بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے ایوانِ حکومت سے باعزت رخصت نہیں ہوا۔ کوئی مار دیا گیا، کوئی جلا دیا گیا، کوئی ملک سے نکال دیا گیا لیکن مجال ہے کسی ایک نے دوسرے کے انجام سے عبرت حاصل کی ہو۔ ہر آنے والے نے جانے والے کے بارے میں کہا، وہ کرپٹ تھا، وہ آمر تھا۔ ہر حکمران کی پہلی تقریر سے بیچارہ عام شہری سمجھتا ہے کہ اب ملک میں دودھ اور شہد کی نہریں بہا کریں گی۔ بہرحال درجنوں حکومتیں بدلیں لیکن عام پاکستانی کی قسمت نہ بدلی۔

سوچنے کا مقام ہے حکمران اور سیاست دان اعلیٰ کردار کے حامل کیوں نہیں۔ اُن کا ذہنی معیار اتنا پست کیوں ہے؟ دنیوی خواہشات اُن پر اِس قدر غالب کیوں ہیں؟ وہ اپنی ذات سے بلند کیوں نہ ہو سکے؟ بس یہیں سے غلط فہمی کا آغاز ہوتا ہے۔ ہمارے مسائل کا اصل حل یہ ہے کہ ہم اپنی اِس غلط فہمی کا ازالہ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف حکمران اور سیاست دان ہی نہیں کُل معاشرہ، بلکہ ساری قوم (اِلا ماشاء اللہ) دنیوی خواہشات پر مر مٹنے کے مرض میں مبتلا ہے۔ ہر شخص دوسرے پر سے پھلانگ کر آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ قانون اور ضابطے اُن کے لئے ہیں جو اُنہیں توڑنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ خاندان اور محلے کی سطح پر بھی اُس شخص کو کامیاب اور قابلِ احترام سمجھا جاتا ہے جو اِس دوڑ میں آگے ہو، چاہے یہ سبقت چور بازاری، رشوت خوری یا لوٹ مار سے حاصل کی گئی ہو۔

سوال یہ ہے کہ اگر کامیابی کی بنیاد یہی ہے، اگر معاشرے کی اجتماعی سوچ یہ ہے کہ کامیاب وہ ہے جو دولت اور اقتدار کے حصول کی دوڑ میں آگے نکل جائے تو حکمران اور سیاست دان وہ سب کچھ کیوں نہ کریں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ حکمران تو وہ آئینہ ہوتے ہیں جس میں قوم کو اپنی صورت نظر آتی ہے۔ برصغیر میں قریباً ہر زبان میں اِس حوالہ سے ضرب المثل مشہور ہے مثلاً جیسا راجا ویسی پرجا۔ جیسا دودھ ویسی بلائی۔ جیسا منہ ویسی چپیڑ (تھپڑ) وغیرہ، لیکن اِس ضمن میں فرمان نبوی ﷺ کی حیثیت قولِ فیصل کی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: اعمالکم عمالکم۔ یعنی "تمہارے اعمال تم پر عُمّال (حاکم) ہوتے ہیں"۔ لہٰذا اصلاحِ احوال کے لیے اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے فرد کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہر شخص یہ طے کرے کہ مجھے اچھا انسان بننا ہے۔ مجھے اپنی ذات سے اوپر اٹھ کر سوچنا ہے۔ میں ڈنڈی نہیں ماروں گا۔ میں کسی کی حق تلفی نہیں کروں گا۔ فرد معاشرے کی اکائی ہے۔ یقیناً اکائی کی دُرستگی سے ہی اجتماعی درستگی وجود میں آ سکتی ہے۔ اگرچہ اِس حد تک بات درست ہے کہ ہر نظام میں حکمران اُس نظام کے کسٹوڈین ہوتے ہیں اور مراعات یافتہ طبقہ دعوت و تبلیغ سے نہیں مانتا (الا ماشاء اللہ)، لیکن اچھائی اور نیکی کی اپنی قوت ہوتی ہے۔ یہ اکائی جب اجتماعی صورت اختیار کرتی ہے اور استقامت کا مظاہرہ کرتی ہے تو پھر بڑے بڑے بُرج اُلٹ جاتے ہیں، تاج اچھل جاتے ہیں۔ اِسے ہی انقلاب کہتے ہیں۔ پاکستان کے حالات اب چھوٹی موٹی تبدیلیوں سے درست نہیں ہو سکتے۔ اِس کے لئے ایک ہمہ جہتی انقلاب کی ضرورت ہے۔

پاکستان کی حالتِ زار کے حوالہ سے حکمران اور سیاست دان اگر بڑے مجرم ہیں تو عوام بھی اِس کے کسی ←

قدر ذمہ دار ہیں۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم آئینہ دکھانے پر بُرا مان جاتے ہیں۔

حکمرانوں اور سیاست دانوں کا مفاد تو اس میں ہے کہ نظام کے حوالہ سے سٹیٹس کو قائم رہے۔ اِس باطل نظام کو ختم کرنے کے لئے جدوجہد تو عوام کو کرنی ہوگی۔ وگرنہ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم اُسی شاخ کو کاٹ رہے ہیں جس پر ہمارا بسیرا ہے اور انجام معلوم کرنے کے لئے کسی نجومی کی خدمات حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ آیئے، ''میں'' کو ٹھیک کریں تاکہ معاشرہ ٹھیک ہوجائے۔ معاشرہ ٹھیک ہوگیا تو ایسی قوت وجود میں آجائے گی کہ نظامِ باطل اپنے محافظوں سمیت دفن ہوجائے گا۔

بقیہ: کالم آف دی ویک

اسلامی ملک میں یہ نظام کامیاب نہیں ہوسکا اور اگر کبھی کسی اسلامی ملک نے اس نظام کے تحت کامیابی حاصل بھی کی تو یہ کامیابی عارضی تھی۔

معیشت کا دوسرا نظام اسلامی ہے۔ اسلامی نظام کے تین بڑے اصول ہیں۔ پہلا اصول خیرات ہے۔ اسلام میں مال کا وہ حصہ جو مومن کی ضرورت سے زائد ہوتا ہے، اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردیا جاتا ہے۔ گویا ایک گھر، ایک گاڑی، کپڑوں کے چار پانچ جوڑوں اور ماہانہ خرچ کے علاوہ ہمارے پاس جو کچھ ہے، وہ اللہ اور اس کے بندوں کی امانت ہے۔ اور اگر ہم یہ مال ضرورت مندوں تک نہیں پہنچاتے تو ہم خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے مجرم ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو وہ اپنے مجرموں کے ساتھ کرتا ہے۔ دوسرا اصول، اسراف سے پرہیز ہے۔ اسلام فضول خرچی کے خلاف ہے۔ اگر اسلامی ریاست کا حکمران دوسرا بلب روشن کردے، دوسری گاڑی استعمال کرلے، دوسوا یکڑ کا ایوان بنالے یا ساٹھ ارکان کی کابینہ بنالے تو یہ اسراف ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان تاجر، کوئی دکاندار، کوئی سرمایہ کار اور کوئی بیوروکریٹ اپنی آمدنی کا زیادہ تر حصہ نمود و نمائش پر خرچ کردے تو یہ بھی اسراف ہے۔ اور وہ اللہ کا مجرم ہے اور اللہ اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کرے گا جو وہ امانت میں خیانت کرنے والے مسلمان کے ساتھ کرتا ہے۔ اسلام کا تیسرا اصول ترجیح ہے، یہ وہ اصول ہے جس سے اسلامی معاشروں میں تبدیلی آتی ہے۔ اسلام دنیا کا واحد نظام ہے جو محروموں، ناداروں، بے بسوں اور بے کسوں کو امراء پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام میں جو شخص جتنا محروم ہے اس شخص کو اتنی ہی فوقیت اور ترجیح دی جاتی ہے۔ شائد یہی وجہ تھی حضرت عمرؓ اپنے کندھے پر آٹے کی بوری اٹھا کر راتوں کو بھوکوں کے گھر جاتے تھے۔

اگر ہماری حکومت، اگر ہمارے وزیر اعظم اس ملک کے محمد رمضان اور بشراؤں کو ترجیح اول بنالیں، اگر ہم آج سے اپنی معیشت کا آغاز پاکستان کی کچی آبادیوں اور غریبوں سے شروع کریں تو یقین کیجئے چند ماہ میں ہمارے ملک میں برکت بھی آجائے گی اور سکون بھی۔ اللہ تعالیٰ غریب کے دل میں بستا ہے اور جب تک ہم غریب کے دل تک نہیں پہنچتے، اس وقت تک ہم اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ اور جب تک ہم اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچیں گے اس وقت تک ہم پر اس کی برکت کے دروازے نہیں کھلیں گے۔ اور جب تک کسی اسلامی ملک پر اللہ کی برکت کے دروازے نہیں کھلتے اس وقت تک وہ ملک خوشحال نہیں ہوتا۔ یہ ہے وہ فارمولہ اور یہی ہے وہ کام جو ہماری حکومت کو کرنا چاہیے۔

(بشکریہ روزنامہ ''ایکسپریس'')

نصیحت

(بالِ جبریل)

بچۂ شاہیں سے کہتا تھا عقابِ سالخورد
اے ترے شہپر پہ آساں رفعتِ چرخِ بریں!
ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخِ زندگانی انگبیں!
جو کبوتر پر جھپٹنے میں مزا ہے اے پسر
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

یہ نظم بھی اقبال کے مخصوص اندازِ فکر کی حامل ہے، جس کے دو بنیادی اور مرکزی کردار ہیں۔ اِن میں ایک تو ایسا شاہین ہے جو تجربہ کار ہے اور عمر کے آخری مرحلے میں پہنچ چکا ہے۔ دوسرا کردار شاہین کا بچہ ہے۔ یہ مختصر ترین نظم صرف تین اشعار پر مشتمل ہے، جن میں ایک پوری داستان بیان کردی گئی ہے۔ اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ نظم بھی سابقہ نظم ''ایک نوجوان کے نام'' سے معنوی طور پر مشابہت و مماثلت رکھتی ہے۔ تینوں اشعار میں جو مکالمہ ہُوا ہے، وہ کچھ اس طرح سے ہے:

1۔ ایک تجربہ کار اور عُمر رسیدہ شاہین نے اپنے ایک نوعُمر شاہین بچے سے کہا کہ میری دُعا تو یہ ہے کہ ربِّ ذوالجلال تیرے بازوؤں میں آسمان کی بلندیوں تک اُڑنے کی صلاحیت پیدا کرے۔

2۔ اے عزیز! یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ جوانی سخت کوشی، جفاکشی اور جہد و عمل سے عبارت ہے۔ کوئی بھی جاندار عُمر کے اِس حصے میں اگر اِن خصوصیات کو اختیار نہیں کرتا تو زندگی میں کامیاب و کامران نہیں ہوسکتا۔ یہ دُرست ہے کہ اِن مراحل کے ضمن میں بسا اوقات بڑے سخت معاملات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے، لیکن نتیجہ ہمیشہ کامیابی اور کامرانی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے کہ محنت اور جدوجہد کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔

3۔ اور یہ بھی جان لے کہ جو لطف اُڑتے ہوئے کبوتر پر حملہ آور ہونے اور اُس پر جھپٹنے کے عمل میں حاصل ہوتا ہے، وہ مزا تو شاید کبوتر کا خون پینے میں بھی حاصل نہیں ہوتا۔

اِن تینوں اشعار کا مطلب یہ ہے کہ زندگی نام ہے عمل پیہم اور جہد مسلسل کا۔ ہر بلند حوصلہ اور جفاکش انسان اِس نوع کی جدوجہد میں ہی وہ لطف محسوس کرتا ہے جو فی الواقع جدوجہد سے حاصل کی ہوئی اشیا میں نہیں ملتا۔

شہادتِ حق کی ذمہ داری

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید کے 11 اپریل 2008ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

انتخابات کے بعد ان اجتماعاتِ جمعہ میں اس بات پر گفتگو ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے 18 فروری کے بعد پر خطر اور مخدوش حالات سے نکال کر بحیثیت قوم ہمیں اصلاح احوال کی جو مہلت عطا کی ہے، ہم اس سے کیونکر فائدہ اٹھائیں۔ اس ضمن میں یہ بات واضح کی گئی کہ سب سے پہلا قدم توبہ ہے۔ توبہ کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنا قبلہ درست کریں۔ اب تک ہمارا رخ کردار دنیاداری اور دولت پرستی کی طرف ہے۔ انفرادی طور پر بھی ہم اسلامی تہذیب واقدار کو چھوڑ کر مغرب کی بے خدا مادر پدر آزاد تہذیب کو اپنا رہے ہیں، اور اجتماعی سطح پر بھی ریاستی پالیسیوں کی تشکیل کے معاملے میں ہمارے حکمرانوں نے امریکہ و یورپ کو اپنا قبلہ بنایا ہوا ہے۔ پوری سنجیدگی کے ساتھ اس طرزِ عمل کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے، اور اس کا اولین تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے قبلے کو درست کریں، یعنی اپنا رخ مغربی تہذیب اور طاقتوں کی جانب سے پھیر کر اللہ کی طرف، اللہ کے رسول کی طرف، قرآن وسنت کی طرف کریں۔ ہمارا اگلا قدم عملی اصلاح کا ہونا چاہیے۔ عملی اصلاح کے لیے مجھے اور آپ کو کیا کرنا ہوگا، یہ بات گزشتہ نشستوں میں تین قرآنی اصطلاحات عبادتِ رب، اطاعت، اور تقویٰ کے حوالے سے واضح کی گئی۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ بندگی اور تقویٰ کو اختیار کریں۔ زندگی کے ہر ہر معاملے میں اور ہر جگہ مسجد، گھر، بازار، عدلیہ اور پارلیمنٹ میں شریعت کو اپنائیں۔

انفرادی طور پر تقویٰ اور اطاعت کے ساتھ ساتھ ہمیں ایک قدم اور بھی اٹھانا ہوگا، اور وہ ہے دینِ حق کے غلبے کی جدوجہد۔ اللہ تعالیٰ سے وفاداری کا تقاضا ہے کہ ہم غیر اللہ کی حاکمیت پر مبنی اس نظام کے خاتمے کے لیے مربوط اور پیہم کوشش کریں جو باطل کے ایجنڈے پر چل رہا ہے اور جس کے تحت عدالتوں میں فیصلے ہو رہے ہیں۔ تاکہ اجتماعی اور ریاستی سطح پر اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کے اصول پر اسلام کا مکمل عادلانہ نظام قائم ہو۔ اقامتِ دین کی یہ جدوجہد نبی اکرمؐ پر ایمان کا بھی تقاضا ہے۔ چنانچہ سورۃ اعراف میں مومنوں کے اوصاف کے تذکرے میں فرمایا:

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (الاعراف)

”تو جو لوگ اُن پر ایمان لائے اور اُن کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی۔ اور جو نُور کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی۔ وہی مراد پانے والے ہیں۔“

نبی اکرم ﷺ کا مشن دینِ حق کا غلبہ تھا۔ آپؐ نے جزیرہ نمائے عرب کی حد تک دین کو عملاً غالب کر کے دکھا دیا۔ اس عظیم مشن میں آپؐ کے جاں نثار صحابہؓ نے آپؐ کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس راہ میں ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ چنانچہ آپؐ کے وصال کے بعد دنیا کے ایک بہت بڑے حصے پر دین غالب ہو گیا۔ اب اس دین کو پورے روئے ارضی پر غالب ہونا ہے۔ آپؐ کی نصرت کا تقاضا ہے کہ ہم اس مشن کے لیے اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں وقف کر دیں۔ اس کے بغیر ہماری بندگی بھی مکمل نہیں۔ یہ جدوجہد ہر مسلمان پر واجب ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور شہادت علی الناس اس امت کی ذمہ داری ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ (آیت:143)

”اور اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا، تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔“

رسول اکرم ﷺ نے شہادت علی الناس کی ذمہ داری ادا فرما دی۔ آپؐ نے اپنے قول سے بھی گواہی دے دی۔ چنانچہ آپؐ پر اللہ کی طرف سے جو وحی آئی، آپؐ صبح و شام اس کو بیان کرتے اور اُس کی وضاحت فرماتے رہے، دین کو لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ آپؐ نے اس نظام کو بھی قائم کر کے دکھا دیا۔ لہٰذا آپؐ کی طرف سے ہم پر گواہی پوری ہو گئی۔ آپؐ نے دینِ حق کا نقشہ دکھا کر حجت تمام کر دی۔ دنیا نے چودہ سو سال پہلے عہدِ نبوی اور دورِ خلافتِ راشدہ میں اسلام کے نظامِ عدل وقسط کا حسین منظر دیکھ لیا۔ اس کی برکات وثمرات مشاہدہ کر لیے۔ اب کون ہے جو اس امر سے ناواقف ہو کہ اُس نظام میں عدل اجتماعی کس بلند سطح پر تھا، انسانی حقوق کا تصور کس قدر عظیم الشان تھا۔ اس تاریخی حقیقت سے خود عیسائی اور یہودی بھی آگاہ ہیں۔ ان کے عوام الناس اس سے آگاہ ہوں نہ ہوں، ان کے اہل علم اس کو خوب جانتے ہیں۔ یہاں امت مسلمہ کو امت وسط کہا گیا ہے۔ امتِ وسط (درمیانی امت) کا ایک مفہوم یہ ہے کہ یہ امت اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان لنک ہے۔ نبوت ورسالت کا دروازہ ابدالآباد تک آپؐ پر آ کر بند ہو گیا۔ اب کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ تو پھر نوعِ انسانی تک دین کو پہنچانے کی ذمہ داری کس کی ہے؟ لوگوں کو ایمانی حقائق سے روشناس کون کرائے گا؟ انہیں شیطان کے ہتھکنڈوں سے کون آگاہ کرے گا؟ بندگانِ خدا کو آخرت کے انجام کے حوالے سے انذار اور تبشیر کی ذمہ داری کس کے کندھوں پر ہوگی؟ یہ ذمہ داری اس امت پر ڈالی گئی ہے۔ اب یہ اُمت کی ذمہ داری ہے کہ پوری دنیا کے سامنے دین کی شہادت دے۔ شہادت حق کا تقاضا یہ بھی ہے کہ دین کو قائم کر کے دکھائیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دین کے خلاف خود گواہی دے رہے ہیں۔ ہمارا عملی رویہ دنیا والوں کو یہ بتا رہا ہے کہ ہمارے رسول کریم ﷺ کو جو دینِ حق دیا گیا تھا، (نعوذ باللہ) وہ محض چودہ سو سال پہلے کے لیے تھا، آج کے لیے قابلِ عمل نہیں ہے۔ وہ صرف کتابوں میں لکھنے کے لیے، قصیدے پڑھنے کے لیے ہے۔ دنیا والو، ہم تمہیں اسلامی نظام سے کیونکر روشناس کرائیں

ہم تو خود تم سے نظام کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ گویا ہم اس معاملے میں قلاش ہیں۔ آج روئے ارضی کے ڈیڑھ ارب اور 58 اسلامی ممالک اپنے عمل سے پوری دنیا کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ چودہ سو سال پہلے کا نظام قابل عمل نہیں، اگر ہوتا تو سب سے پہلے خود ہم نے اُسے اپنے ہاں قائم کیا ہوتا۔

ہمیں یہ بات دل میں بٹھا لینی چاہیے کہ اللہ کی مدد اور نصرت حقیقتاً تب آئے گی جب اسلام سے بے وفائی کی اِس روش کے برعکس ہم غلبۂ دین کے لیے کام کریں گے۔ جس معاشرے میں ہم رہ رہے ہیں، یہ نوے فیصد مسلمانوں کا معاشرہ ہے۔ دین کو قائم کرنے کی ذمہ داری ہر مسلمان پر ہے۔ اور اس معاملے میں سب سے بڑھ کر ذمہ دار وہ لوگ ہیں جو ایوان اقتدار میں بیٹھے ہوئے ہیں، کہ اُن کے پاس طاقت و اختیار ہے۔ اگر وہ یہ کام نہیں کرتے تو قیامت کے دن سب سے بڑے مجرم وہ ہوں گے۔ ان کے ساتھ ساتھ جن کو بھی اس ذمہ داری کا شعور ہے لیکن اِسے ادا نہیں کر رہے، وہ بھی مجرم ہیں۔

اس ذمہ داری سے پہلو تہی کا نتیجہ ہے کہ ہم پر ذلت و رسوائی مسلط ہے۔ اللہ کی رحمت ہم سے روٹھ چکی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اے مسلمانو! تم لازماً نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے۔ (زبان سے بھی اور قوت سے بھی۔) اور اگر تم نے یہ کام چھوڑ دیا تو اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر ایک عذاب مسلط کر دے گا۔ پھر تم دعائیں کرتے رہو گے اور وہ تمہاری کچھ نہیں سنے گا۔“ رسول اللہ ﷺ نے یہاں واضح طور پر فرما دیا ہے کہ اگر تم نے یہ کام چھوڑ دیا اور اللہ سے وفاداری کا تقاضا فراموش کر دیا تو پھر اللہ تمہاری دعائیں نہیں سنے گا۔ ہاں اگر ہم یہ کام کریں گے تو اللہ ہماری مدد فرمائے گا۔ جیسا کہ فرمایا گیا: ﴿وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ﴾ (الحج: 40) ”جو کوئی اللہ کی مدد کرے (یعنی اللہ کی زمین پر، اللہ کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرے) تو اللہ یقیناً اُس کی مدد کرے گا۔“ اگر بندے اس کو بھول کر اپنے پیٹ کے دھندوں میں دنیا داری کے چکر میں پڑے ہوئے ہوں، تو پھر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے گا۔ اس وقت ہماری یہی صورتحال ہے۔ ہم زبوں حالی کا شکار ہیں۔ ہمیں اللہ کی نصرت کی بڑی شدید ضرورت ہے۔ اس لیے کہ ہمارے سر پر اس وقت ظاہراً مادی اعتبار سے دنیا کی سب سے بڑی طاقت یعنی امریکہ مسلط ہے۔ اس نے پاکستان کو اپنی چراگاہ بنا رکھا ہے۔ امریکا کا ایجنڈا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جائے۔ اس ابلیسی ایجنڈے کو نام نہاد دہشت گردی کے خلاف عالمی مہم کا نام دیا گیا ہے۔ اس عنوان کے پیچھے ان کے جو اصل عزائم ہیں وہ ساری دنیا جانتی ہے۔ امریکہ اور اُس کے حلیف اس شیطانی کام میں ہم پاکستانیوں کو اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ ہم نے آج تک یہی کہا ہے کہ زمینی حقائق دیکھنے چاہئیں۔ امریکہ بہت پاور فل ہے اور ہم بڑے کمزور ہیں۔ ہم تو اتنے کمزور ہیں کہ ہمارے لیے اپنا ایٹم بم سنبھالنا، ہمارے لیے ایک مصیبت بنا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس کی بات مانیں۔ اس کے آگے جھک جائیں۔ عہدِ روشن خیال میں پوری قوم کو اس پالیسی کو حکیمانہ باور کرانے کے لیے بھرپور کوشش کی گئی۔ کہا گیا یہ ”زمینی حقائق“ ہیں، ہماری مجبوری ہے کہ امریکہ کا فرنٹ لائن سٹیٹ بنیں۔ لیکن ہمارے مقتدر طبقوں کو اب تو اِس حقیقت کا ادراک کر لینا چاہیے کہ اسی ”مجبوری“ نے آج ہمیں یہ دن دکھایا ہے۔

آپ کو معلوم ہو گا کہ پچھلے دنوں امریکہ نے پاکستان سے مزید گیارہ مطالبات کیے ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ امریکیوں کو یہاں پر ہر طرح کی آزادی حاصل ہو، وہ

پریس ریلیز 18 اپریل 2008ء

اگر ہم ذلت و رسوائی کے عذاب سے نکلنا چاہتے ہیں تو ہمیں مغرب کی اندھی تقلید سے نکل کر نبی اکرم ﷺ کے مشن کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنانا ہوگا

حافظ عاکف سعید

آج امت مسلمہ کو پوری دنیا میں جو ذلت و رسوائی کا سامنا ہے اس کی وجہ اللہ کے دین سے بے وفائی اور غداری ہے۔ اگر ہم کھوئی ہوئی عزت اور غلبہ و اقتدار دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو از روئے قرآن ہمیں ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ امت مسلمہ کی دوسری تمام امتوں پر فضیلت اس بنیاد پر ہے کہ ختم نبوت کی وجہ سے تمام بنی نوع انسان تک اللہ کا پیغام پہنچانے اور دین کو قائم و غالب کر کے پوری دنیا کو دین سے روشناس کرانے اور اُن پر دین کی گواہی قائم کر دینے کی ذمہ داری اِس امت کے کندھوں پر ہے۔ مگر ہمارا طرز عمل اس کے بالکل برعکس ہے اور ہم بحیثیت امت اپنی اس اجتماعی ذمہ داری سے نہ صرف غافل ہیں بلکہ اپنے طرزِ عمل سے دین کے خلاف گواہی قائم کر رہے ہیں۔ اٹھاون اسلامی ممالک دنیا کے نقشے پر موجود ہیں لیکن کسی ایک ملک میں بھی دین حق کا قیام اور شریعت اسلامی کا مکمل نفاذ موجود نہیں ہے۔ ہم اپنے اِس مجرمانہ طرزِ عمل کے ذریعے پوری دنیا کو گویا یہ پیغام دے رہے ہیں کہ یہ دین فرسودہ ہے اور آج کے دور میں قابل عمل نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ پر دنیا میں ذلت و مسکنت کا عذاب مسلط ہے۔ اگر ہم اس ذلت اور رسوائی کے عذاب سے نکلنا چاہتے ہیں تو ہمیں مغرب کی اندھی تقلید سے نکل کر اپنی اجتماعی ذمہ داری کی ادائیگی اور نبی اکرم ﷺ کے مشن کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنانا ہوگا اور جس طرح آپ ﷺ نے نہ صرف اپنے قول و فعل سے لوگوں پر گواہی قائم کی بلکہ انتھک جدوجہد اور جان و مال کی قربانی دے کر اللہ کے دین کو قائم و نافذ بھی کر کے دکھایا اسی طرح ہمیں بھی اللہ کے عطا کردہ نظامِ زندگی کو قائم و نافذ کر کے ایک عملی نمونہ پیش کرنا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم دین کا صحیح شعور اور ادراک حاصل کریں اور اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔ اگر ہم نے یہ کام کیا تو اللہ کی مدد لازماً مسلمانوں کے ساتھ ہوگی۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی)

ہر قانون سے بالاتر ہوں، اُن پر کوئی روک ٹوک نہ ہو، ویزے کی پابندی نہ ہو، اُن پر ہمارے کسی قانون کا اطلاق نہ ہو، انہیں اسلحہ لے جانے کی اور اس کے استعمال کی بھی اجازت ہو۔ کہا تو یہی گیا ہے کہ حکومت نے یہ مطالبات مسترد کردیے ہیں، لیکن اس پر اعتبار کرلینا اتنا آسان نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی حکومت یہی کہتی تھی کہ ہم نے امریکہ کا کوئی مطالبہ نہیں مانا، لیکن وقت نے ثابت کردیا کہ ہر مطالبہ مانا گیا۔ اور پھر جب راز طشت از بام ہوگیا تو دلیل یہ دی گئی کہ یہ کام ہم نے امریکہ کے دباؤ پر نہیں کیا بلکہ ملکی مفاد میں کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں خود امریکی یہ صاف کہہ دیتے رہے کہ یہ کام ہم نے دباؤ ڈال کر کروایا ہے۔ نئی حکومت کو یہ بات ضرور پیش نظر رکھنا ہوگی کہ یہ دباؤ وقت کے ساتھ بڑھے گا۔ یہ دباؤ پرویز مشرف سے ہٹ کر اب جمہوری "Set up" کی طرف آرہا ہے۔ اس کے لیے انہوں نے نئی حکومت کو رشوت دینے کی بھی کوشش کی ہے۔ چنانچہ امریکی "امداد" پر جو پابندی لگی ہوئی تھی، اب وہ ہٹائی جارہی ہے۔ دراصل یہ امریکہ کی منافقانہ پالیسی کا حصہ ہے۔ ایک طرف اس کی پوری کوشش یہ ہے کہ صدر مشرف حاکم کُل بن کر یہاں مسلط رہیں، تاکہ اُس کے ایجنڈے کو اور آگے بڑھایا جائے، دوسری طرف جمہوری سیٹ اپ کو رشوت دی جارہی ہے۔ ہماری نئی حکومت کو اس منافقانہ پالیسی سے خبردار رہنا چاہیے، اور امریکہ کے جھانسے میں نہیں آنا چاہیے۔ اُسے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ امریکہ کا یہ اقدام بھی اپنے مطالبات کو منوانے کا ایک طریقہ ہے۔ وہ نئی حکومت کو بھی اپنے انگوٹھے تلے رکھنا چاہتا ہے۔

اس کے علاوہ حال ہی میں امریکہ کا ایک اور گھناؤنا اقدام سامنے آیا ہے۔ اس نے پاکستان میں بدنام زمانہ جنرل جے ڈبلیو ہڈ کو پاکستان میں امریکی دفاعی نمائندہ مقرر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے گوانتاناموبے کے امریکی عقوبت خانے میں مسلمان قیدیوں کو سخت ترین اذیتیں دی ہیں۔ قرآن مجید کی چھ بار توہین کے واقعات بھی اسی کی زیر کمان پیش آئے تھے۔ ایسے شخص کو پاکستان میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجنا، اس بات کی غمازی ہے کہ امریکہ کو ہمارے دینی و مذہبی جذبات سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمیں ایسے شخص کو ہرگز برداشت نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں امریکہ پر یہ واضح کردینا چاہیے کہ یہ ہمارا قومی مجرم ہے، اسے ہمارے حوالے کردیتا کہ اُسے قرار واقعی سزا دی جاسکے۔ اگر ہم یہ کام نہیں کرسکتے تو کم از کم اتنا تو ہو کہ سفارتی قوانین کے تحت اِس شخص کی تعیناتی کو مسترد کردیں اور امریکہ پر واضح کردیں کہ یہاں پر اس کی تعیناتی ہمیں ہرگز قبول نہیں۔

بہرحال اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری قوم اپنا قبلہ درست کرے، تاکہ اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہو، ورنہ صرف چہرے بدلنے سے حالات نہیں بدلیں گے۔ اگر آئندہ حکومت نے بھی امریکہ کی غلامی اختیار کرنی ہے، ظاہراً یہ کہنا کہ ہم نے ان کے دباؤ کو قبول نہیں کیا، اور عملاً ان کو کھلی چھٹی دینی ہے جیسے پچھلے آٹھ سالوں میں ہوتا رہا، تو پھر کچھ ہی عرصے کے بعد ہم دوبارہ اس مقام پر کھڑے ہوں گے، جہاں الیکشن سے پہلے کھڑے تھے۔ پچھلے ہفتے یہ خبر آئی تھی کہ اسرائیل نے دنیا کا ایک نقشہ شائع کیا ہے، جس میں پاکستان کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اگر ہماری وہی پالیسی رہی تو خدانہ کرے اسرائیل کی یہ ناپاک خواہش پوری ہو جائے۔ اس سے بچنے کا بڑا آسان راستہ ہے کہ ہم اللہ کی، اُس کے رسول ﷺ کی اور اس کے دین کی وفاداری اختیار کریں۔ اس راستے پر آئیں گے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ ہمیں سربلندی عطا فرمائے گا۔ فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ (محمد:7) "اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدموں کو جمادے گا۔" سورۃ الحج میں فرمایا: ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ﴾ (آیت:40) "اور اللہ لازماً مدد کرتا ہے ان کی جو اللہ کی مدد کرتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں دین کے غلبے کے لئے اپنا تن من دھن لگانے کی ہمت اور توفیق فرمائے۔ (آمین) [مرتب: فرقان دانش خان]

قرآن فہمی کی طرف پہلا قدم

کل وقتی 25 روزہ قرآن فہمی کو

پھر سوئے حرم لے چل

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلبہ، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہوسکتے ہیں، تاکہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کرسکیں

2008ء کے دوران ان شاء اللہ 3 کورسز

16 واں کورس 4 جون سے
17 واں کورس یکم جولائی سے
18 واں کورس یکم اگست سے

☆ قیام و طعام اکیڈمی کے ذمے ہوگا۔
☆ تعلیمی ٹائم ٹیبل اور قواعد و ضوابط کی پابندی ضروری ہوگی۔
☆ خوبصورت لیکچر ہال، مسجد، لائبریری اور دیگر ضروریات ایک ہی چھت کے نیچے
☆ پرسکون اور پاکیزہ ماحول

اہل ثروت حضرات سے عطیات کا خیر مقدم کیا جاتا ہے

ہر کلاس میں طلبہ کی تعداد 30 سے زیادہ نہیں ہوگی۔ جون 08ء، جولائی 08ء اور اگست 2008ء میں سے اپنی فرصت کے مطابق نام رجسٹر کرائیں

قرآن اکیڈمی
لالہ زار کالونی نمبر 2 ٹوبہ روڈ، جھنگ صدر
فون: 047-7628561-7628361

اسلام دشمنی: مغرب کے اہداف کیا ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ
بانی تنظیم اسلامی

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

مولانا الطاف حسین حالیؒ کے مندرجہ بالا اشعار کا انطباق کسی اور دور پر ہو یا نہ ہو مگر موجودہ حالات پر صد فیصد ہوتا ہے۔ آج کے حالات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ امت محمدیہ اُس دور میں داخل ہو چکی ہے جس کی خبر رسولِ رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے دی تھی کہ "مسلمانو! عنقریب تم پر ایسا دور آئے گا کہ دنیا کی قومیں تم پر ٹوٹ پڑنے کے لیے ایک دوسرے کو مدعو کریں گی، جیسے (دعوتوں میں) کھانے کی دعوت دی جاتی ہے۔" یہ کرب ناک کیفیت آج پوری طرح سے موجود ہے۔ آج پوری دنیا میں مسلمانوں کا تصور "دہشت گردوں" کے گروہ کا ہے۔ گیارہ ستمبر کے واقعے سے پہلے بھی دنیا میں کئی دہشت گرد گروہ موجود تھے مگر کسی گروہ کو اس کے مذہب کے حوالے سے نہیں پکارا گیا، مثلاً انگلینڈ اور آئرلینڈ کے مابین طویل جنگ کے دوران کئی دہشت گردی کے واقعات ہوئے جس میں لاتعداد لوگ جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے مگر کسی جانب سے اسے "عیسائی دہشت گردی" نہیں کہا گیا۔ فرانس اور سپین کے سرحدی علاقے پر واقع سپین کے ایک صوبے پایس باسکو (Pais Basco) میں علیحدگی کی تحریک چل رہی ہے اور یہاں پر ایک گروہ ایٹا (ETA) کے نام سے سرگرم عمل ہے اور اس گروہ نے سپین میں کئی بم دھماکے کیے ہیں مگر اس گروہ کی دہشت گردی کو کسی نے "کیتھولک دہشت گردی" کا نام نہیں دیا۔ سری لنکا کے علاقے "تامل" میں عرصۂ دراز سے "تامل ٹائیگرز" کے نام سے ایک گروہ موجود ہے مگر اس گروہ کی کارروائیوں کو کبھی کسی نے "بدھ ٹیررازم" کا نام نہیں دیا۔ ہندوستان کے علاقے گجرات میں مسلمانوں کی بے دریغ ہلاکتوں کے بارے میں ثابت ہو گیا ہے کہ اس کے ذمہ دار صوبے کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی اور انتہا پسند ہندو ہیں مگر کسی جانب سے آواز نہیں اٹھی کہ یہ "ہندو ٹیررازم" ہے۔ مگر ستم ظریفی ملاحظہ کریں کہ امریکہ کے جڑواں ٹاورز کے انہدام کے بے بنیاد الزام میں "اسلامی دہشت گردی" کا عنوان مسلمانوں کے سر تھوپ دیا گیا حالانکہ گیارہ ستمبر کے واقعے کی نہ کوئی تحقیقات ہوئیں اور نہ ثابت کیا جا سکا کہ یہ واقعتاً مسلمانوں کی کارروائی ہے مگر آج دنیا میں ہونے والے دہشت گردی کے تقریباً ہر واقعے کو بغیر سوچے سمجھے مسلمانوں سے منسوب کر دیا جاتا ہے اور اس میں مزید دکھ اور کرب کی بات یہ ہے کہ مغرب کی اِس اسلام مخالف مہم میں مسلمان ملکوں کے تقریباً سبھی حکمران مغرب کے ایجنٹوں کا رول ادا کر رہے ہیں۔

> **مغرب کا پہلا ہدف یہ ہے کہ قرآن حکیم کو جو دنیا کی واحد آسمانی کتاب ہے جو من و عن محفوظ ہے، متنازعہ بنا دیا جائے تاکہ یہ کتاب مقام حجت سے ہٹ کر بحث و مباحثے کا موضوع بن جائے**

تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو مذہب کے نام پر دہشت گردی کی تاریخ عیسائیت سے وابستہ ہے۔ جب سینٹ مارٹن لوتھر نے کیتھولک نظریہ سے بغاوت کا علم بلند کیا اور پروٹسٹنٹ فرقے کی بنیاد رکھی تو کیتھولک مذہب کے پیروکاروں نے مارٹن لوتھر کی آواز پر لبیک کہنے والوں کو زندہ آگ میں ڈلوایا، ان کا بے رحمانہ قتل عام کیا، ان کے گھروں کو نذر آتش کیا، ان کی خواتین کی عصمت دری ہوئی۔ دنیا میں اب تک دو عالمی جنگیں (World Wars) ہو چکی ہیں اور یہ جنگیں بھی عیسائی ملکوں کے مابین تھیں۔ ان جنگوں میں کوئی مسلمان ملک فریق نہیں تھا۔ پہلی عالمی جنگ میں، جو 1914ء سے 1918ء تک جاری رہی، 20 ملین انسان لقمہ اجل بنے۔ دوسری جنگ عظیم میں 60 ملین افراد اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سوویت یونین کے زمانے میں روس نے مسلمان ریاستوں کے بنیادی حقوق سلب کیے رکھے مگر روس کی اس ریاستی دہشت گردی پر کوئی عالمی ادارہ حرکت میں نہیں آیا۔ سربوں نے بوسنیا ہرزیگوینا کے مسلمانوں کی کھلم کھلا نسل کشی کی مگر پوری دنیا اور انسانی حقوق کے نام نہاد چیمپئن مغربی ممالک تماشا دیکھتے رہے۔ بھارت کی فوج 60 سال سے کشمیریوں کے خون سے ہولی کھیل رہی ہے مگر اس ریاستی دہشت گردی پر کسی عالمی ادارے نے کوئی مذمتی قرارداد تک منظور نہیں کی۔ اس کے برعکس 30 سال سے جنگ سے نبرد آزما افغانستان کے بھوکے اور ننگے افغان شہریوں کو "دہشت گرد" قرار دے کر ان پر حملہ کر دیا گیا اور ٹنوں وزنی ڈیزی کٹر بموں سے ان کا بھرکس نکال دیا۔ ابھی امریکہ اور اس کے حلیف مغربی ممالک کی اسلام دشمنی کی آگ ماند نہیں پڑی تھی کہ عراق پر حملہ کر دیا اور ہنستے بستے ملک کو تہس نہس کر دیا۔ امریکہ اور اس کے حلیف مغربی ممالک نے انسانوں سے آباد شہروں کابل، قندھار، بغداد، فلوجہ، کربلا اور نجف اشرف کو قبرستان میں بدل دیا ہے اور ابھی یہ عمل جاری و ساری ہے۔ اس کے برعکس کسی مسلمان ملک نے کبھی بھی کسی دوسرے ملک پر جارحیت کا ارتکاب نہیں کیا ہے مگر دنیا کی نظر میں دہشت گردی کا مرکز وہ بنے ہوئے ہیں۔ فلسطین پر اسرائیل عرصۂ دراز سے اپنی جارحیت مسلط کیے ہوئے ہے۔ اس دنیا کی سب سے بڑی دہشت گردی کو کسی نے "یہودی دہشت گردی" کا نام نہیں دیا۔ پوری دنیا میں اسرائیلی جارحیت مسلّم ہے اور اس ملک کی وجہ سے پوری دنیا کا امن خطرے سے دوچار ہے مگر اس کے باوجود امریکہ اور اس کے حلیف ممالک اسرائیل کے محافظ ہیں اور اس کی دہشت گردی میں برابر کے شریک ہیں۔ دوسری جانب انہوں نے محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات اور قرآن پاک کی توہین کی مذموم شیطانی کوششیں شروع کر دی ہیں اور اس کے لیے ڈنمارک میں پہلے گستاخانہ خاکے بنائے گئے اور بعد میں ہالینڈ کے رکن اسمبلی نے قرآن حکیم کے خلاف فلم بنا ڈالی۔ ابھی ان گستاخانہ حرکتوں کے خلاف احتجاج کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا کہ فرانس میں مسلمانوں کے قبرستان میں جنونی عیسائیوں نے گھس کر قبروں پر سور کی کھوپڑیاں رکھ دیں اور قبروں پر نصب کتبوں پر نامناسب الفاظ لکھ دیئے۔ موجودہ صورتحال کے تناظر میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ آخر مغرب کی اس اسلام دشمنی

کی وجہ کیا ہے؟ اور وہ اس اسلام دشمنی کے ذریعے کیا اہداف حاصل کرنا چاہتا ہے؟

اس ضمن میں سب سے پہلی بات جو سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام دنیا کا واحد دین ہے جو مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام نوع انسانی کو ایک معتدل اور متوازن ترین نظامِ عدلِ اجتماعی عطا کرتا ہے۔ مغرب کے دانشور اس نظام عدل کو اپنے نظاموں کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اسلامی تہذیب ہماری تہذیب کو نگل لے گی۔ لہٰذا انھوں نے اسلام کے خاتمے کے لیے چار اہداف مقرر کیے ہیں۔

سب سے پہلا ہدف یہ ہے کہ قرآن حکیم کو جو دنیا کی واحد آسمانی کتاب ہے جو من وعن محفوظ ہے، اسے متنازعہ بنا دیا جائے تاکہ یہ کتاب مقام حجت سے ہٹ کر بحث و مباحثے کا موضوع بن جائے۔ ایسی کوششیں ماضی میں بھی بہت ہو، یعنی کبھی آیات کو آگے، پیچھے شائع کر کے چھاپا گیا، کبھی اس کے عنوان سے ایسی تحریکیں شروع کرا دیں، جو اسلام سے متصادم تھیں۔ ہمارے ہاں اِس کی سب سے بڑی مثالیں قادیانی مذہب اور پرویزی مکتبہ فکر ہے۔

دوسرا ہدف یہ ہے کہ قرآن حکیم کے فکر ”جہاد فی سبیل اللہ“ کو وحشیانہ عمل قرار دیا جائے، تاکہ مسلمانوں کے اندر جذبۂ جہاد اور شوق شہادت کو ختم کیا جاسکے۔ اس کے لیے بھی اُنھوں نے مسلمانوں کے اندر اپنے ایجنٹ پھیلائے جنھوں نے جہاد وقتال کے تصورات کو غلط قرار دیا۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ نعرہ لگایا تھا کہ۔

دیں کے لیے حرام ہے اب دوستو، قتال!

جس پر شاعر مشرق علامہ اقبال نے یوں پھبتی چست کی تھی کہ۔

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب نہیں رہی تلوار کارگر!

مغرب کا تیسرا ہدف نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے جسے وہ اپنی گھٹیا ذہنیت کے ذریعے سے متنازعہ بنانا چاہتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کے قلب وذہن سے آپ کا احترام ختم ہو جائے کیونکہ مغرب کا خیال ہے کہ جب تک حضور نبی اکرمؐ کے امتیوں کا آپؐ سے احترام اور محبت کا تعلق ختم نہیں ہو گا مسلمانوں کو کمزور نہیں کیا جاسکتا۔ مغرب کی اسی ذہنیت کو علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں یوں بیان کیا ہے کہ۔

یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو!

یہی وجہ ہے کہ کبھی گستاخانہ خاکے بنائے گئے اور کبھی پاکستان میں نادان عیسائیوں کے ذریعے سے گستاخیاں کروائی گئیں۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر ملعون سلمان رشدی اور ملعونہ تسلیمہ نسرین کو پناہ دی گئی اور اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ ملعون سلمان رشدی کو ادب کے میدان میں ”SIR“ کے خطاب سے نوازا گیا اور یہ حرکت ”روشن خیالی“ اور ”انسانی حقوق کے چمپئین“ ملک برطانیہ نے سرانجام دی۔

مغرب کی اسلام دشمنی کے ضمن میں چوتھا ہدف حضور ﷺ کا اسوہ مبارکہ ہے اور یہ اسوہ ہمیں احادیث کی کتب سے ملتا ہے، لہٰذا کوشش کی جا رہی ہے کہ احادیث کے بارے میں گمراہ کن خیالات عام کر دیئے جائیں اور ان کو مشکوک بنا دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ شعائرِ اسلامی داڑھی، عمامہ یا ٹوپی، ساتر لباس، مسواک، زلفوں اور دیگر سنتوں کو دقیانوسیت قرار دیا جاتا ہے اور ان اعمال کو اختیار کرنے والوں کا استہزا اور تضحیک کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ملکوں کے میڈیا پر جن لوگوں کو دانشوروں اور علماء کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے وہ داڑھی منڈے اور ننگے سروں والے ہوتے ہیں۔

مغرب کے ان ناپاک اہداف کا توڑ یہ ہے کہ ہم دینی تصورات کے ضمن میں اپنے اندر پائی جانے والی کجیوں اور کمیوں پر نظر رکھیں اور انھیں صحیح کریں۔ اس ضمن میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کے حقیقی تصور کو لوگوں میں عام کیا جائے۔ ہمارے ہاں جہاد کے ضمن میں سب سے بنیادی مغالطہ جو ذہنوں میں بیٹھا ہوا ہے یہ ہے کہ جہاد کے معنی صرف غیر مسلموں کے خلاف ”جنگ“ ہیں اور یہ تصور بھی مغرب کا پھیلایا ہوا ہے اور ہماری عظیم اکثریت اسی تصور سے چمٹی ہوئی ہے۔ قرآن میں جنگ کے لیے جو اصطلاح آئی ہے وہ ”قتال فی سبیل اللہ“ ہے جبکہ جہاد فی سبیل اللہ سے مراد اپنی ذات، معاشرے اور پورے سیاسی واقتصادی نظام پر اس حق کو غالب کرنے کی جدوجہد ہے اور اس کا اہم ترین اور سب سے بنیادی پہلو اپنے نفس کے خلاف جدوجہد ہے۔ بمطابق الفاظ نبویؐ: ”سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ تو اپنے نفس کو اللہ کے احکام کا مطیع بنانے کے لیے اس کے خلاف جدوجہد کرے“ یہ جدوجہد ہر مسلمان کو ہر لمحے کرنی ہوتی ہے جبکہ جنگ تو ہر وقت نہیں ہوتی۔

اس مغالطے کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ چونکہ ہر وقت نہیں ہوتی لہٰذا جہاد فرض کفایہ بن گیا اور فرض عین کی فہرست سے خارج ہو گیا۔ اس غلط تصور جہاد کا نتیجہ یہ بھی نکلا کہ مسلمان جب بھی جنگ کرے گا تو گویا وہ جہاد فی سبیل اللہ کر رہا ہے حالانکہ مسلمان کوئی ظالم اور فاسق و فاجر حکمران بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مسلمان بادشاہوں کی اقتدار کے لیے جنگوں کو بھی جہاد فی سبیل اللہ قرار دیا جاتا رہا، جبکہ احادیث مبارکہ کی رو سے قتال فی سبیل اللہ وہ جنگ ہے جو اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے کی جائے۔

جہاد اور قتال کے فرق کو اس طرح سے بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جہاد کے لیے انگلش میں 'Struggle' کا لفظ آتا ہے جس کے ہم پلہ اُردو میں کشاکش کا لفظ ہے جبکہ 'Struggle' کے ساتھ 'Against' کا لفظ آتا ہے جس کا مطلب کسی مقصد کی راہ میں حائل رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے کوشش ہے۔

الغرض! اس وقت پورا عالم مغرب...... یعنی عیسائیت اور یہودیت اسلام کو بدنام کرنے کے لیے پورا زور صرف کر رہے ہیں۔ اس کا توڑ یہ ہے کہ ہم قرآن کے اصل پیغام کو سمجھیں جسے پوشیدہ رکھنے کے لیے پوری دنیا زور لگا رہی ہے۔ اور جس کے ضمن میں دنیا کے خوف کی کیفیت وہی ہے جسے اقبالؒ نے یوں بیان کیا تھا کہ۔

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
الحذر! آئینِ پیغمبرؐ سے سو بار الحذر!
حافظِ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیر رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک وصاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں!
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر وعمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں!

ضرورت رشتہ

☆ لڑکا، عمر 30 سال، تعلیم B.A، برسرروزگار کے لئے دینی گھرانے سے موزوں رشتہ درکار ہے۔ لاہور کے رہائشی کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: 0332-5889258

☆ لاہور میں مقیم فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 24 سال، تعلیم ایم ایس سی (ہوم اکنامکس) حجاب اور صوم وصلوٰۃ کی پابند کے لئے دینی مزاج کے حامل ہم پلہ لڑکے کا رشتہ مطلوب ہے۔ والدین یا سرپرست رابطہ کریں۔

برائے رابطہ، محمد شریف: 0333-4382405

☆ 50 سالہ، ایم اے اکنامکس، ضلع گجرات اور جٹ برادری سے تعلق، زمینداری / کاروبار سے وابستہ شخص، اولاد کے لئے دوسری شادی کا خواہشمند ہے۔

برائے رابطہ: 0321-4092030

ڈھول ڈھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہ تھا

محمد سمیع

آج مجھے غالب کا یہ شعر بہت یاد آرہا ہے۔

ڈھول ڈھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہ تھا
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

اردو ادب میں غالب کا ایک منفرد مقام ہے۔ لہٰذا توقع تو یہ کی جانی چاہئے کہ وہ بحیثیت عاشق بھی اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوں گے لیکن ان کے اس شعر کو پڑھنے کے بعد پتہ یہ چلا کہ عاشق عاشق ہی ہوتا ہے خواہ وہ غالب ہی کیوں نہ ہو۔ ورنہ اور پیش دستی چہ معنی دارد؟ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ آخر یہ شعر مجھے یاد ہی کیوں آیا، تو پیارے قارئین! صوبائی اسمبلی سندھ میں ارباب رحیم اور لاہور میں ڈاکٹر شیر افگن کے ساتھ جو معاملہ ہوا ہے اس کے تناظر میں مجھے یہ شعر یاد آیا ہے، کیونکہ یہ دونوں حضرات صدر پرویز مشرف کے عاشقان زار میں سے ہیں۔ ان دونوں کے ساتھ ناروا سلوک کے حوالے سے جو یہ بات کہی جا رہی ہے کہ یہ سارا مکافات عمل ہے تو اس میں مجھے کچھ کچھ سچائی نظر آتی ہے۔ جس طرح اگر غالب اگر پیش دستی نہ کرتے تو ان کا سراپا ناز محبوب ڈھول ڈھپے پر نہ اترتا، اسی طرح اگر یہ دونوں حضرات اپنے محبوب کے حق میں گزشتہ پانچ سال کے دوران جا و بیجا لن ترانیاں نہ کرتے تو ان کا بھی یہ حشر نہ ہوتا۔

البتہ غالب اور ان دونوں حضرات کے معاملے میں فرق یہ ہے کہ غالب کے ساتھ ان کے محبوب سراپا ناز نے ڈھول ڈھپے کا معاملہ کیا تھا لیکن ان دونوں حضرات ڈھول ڈھپے کا معاملہ ان کے محبوب کے حریفوں کی جانب سے پیش آیا ہے۔ جبھی تو ڈاکٹر شیر افگن نے اپنے ساتھ ناروا سلوک روا رکھے جانے کے بعد بھی اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ عشق کے اس صحرا کی بدستور خاک چھانتے رہیں گے۔ پتہ نہیں ارباب رحیم کے عزائم کا معاملہ کیا ہے۔ وہ تو صحرائے تھر کے مکین ہیں۔ انہیں صحرا کا بڑا تجربہ ہے۔ شاید وہ بھی ڈاکٹر شیر افگن کے نقش قدم پر چلنے کا عزم کئے ہوئے ہوں۔ غالب کا ایک اور شعر اس موقع پر یاد آرہا ہے۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

ڈھول ڈھپا پیپلز پارٹی کے جیالوں کا شیوہ نہیں رہا ہے۔ کیونکہ وہ بیچارے تو خود قید، کوڑوں، لاٹھی چارج اور آنسو گیس کے شیلوں سے نبرد آزما رہنے کے عادی ہیں۔ یہ نعرہ ان کی طرف سے مرد مومن مرد حق ضیاء الحق کے دور میں بہت مشہور ہوا تھا "پاکستان کا مطلب کیا، پھانسی، پھٹکا، مارشل لاء"۔ اگر ان کی جانب سے ارباب رحیم کے ساتھ ڈھول ڈھپے کا معاملہ کیا گیا تو اس کا سبب یقیناً ان کی وہ پیش دستی تھی جو وہ اپنے دور حکومت میں پیپلز پارٹی اور اس کی لیڈر بینظیر بھٹو کے خلاف ہجو گوئی کی شکل میں کرتے رہے تھے۔ یہی معاملہ وکلاء کا بھی ہے۔ وہ گزشتہ ایک سال سے عدلیہ کی آزادی کی تحریک چلا رہے ہیں لیکن ان کی جانب سے بھی ڈھول ڈھپا کا معاملہ سامنے نہیں آیا۔ وہ ان تمام مراحل سے گزرے جنہیں فیض احمد فیض نے اس طرح بیان کیا ہے۔

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری
تنہا پس زنداں کبھی رسوا سر بازار

کون سا ستم انتظامیہ کی جانب سے ان کے ساتھ روا نہیں رکھا گیا لیکن انہوں نے یہ تمام مراحل صبر و استقامت کے ساتھ گزارے۔ پیش دستی تو ڈاکٹر شیر افگن کی جانب سے ان بیانات کی صورت میں وقتاً فوقتاً ہوتی رہی جن کے ذریعہ انہوں نے دستور و قوانین کی من پسند تشریحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ بہر حال کچھ بھی ہو، ایسے واقعات ہرگز پسندیدہ نہیں۔ دنیا ہمیں صبر و تحمل سے عاری قوم اور ہمارے ملک کو دہشت گردی کا گڑھ قرار دے رہی ہے۔ ان حالات میں ہم اپنی ان حرکتوں سے دنیا کو کیا پیغام دے رہے ہیں۔ اس معاملے پر ان کو بھی سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے جو "سب سے پہلے پاکستان" کا نعرہ لگاتے رہے ہیں اور جو پس پردہ رہ کر ان کٹھ پتلیوں کی ڈور ہلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان تنکوں کے سہارے خود کو غرق آبی سے بچالیں گے تو وہ شدید خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔

مجھے اس موقع پر ایک لطیفہ یاد آرہا ہے۔ ایک صاحب جوتا خریدنے کے لئے کسی دوکان میں گئے۔ سیلز مین نے ان کی فرمائش پر جوتوں کے سارے ڈیزائنوں کی ورائٹی ان کے سامنے رکھ دی۔ لیکن انہیں کوئی جوتا پسند نہ آیا۔ جب وہ جانے کے لئے کھڑے ہوئے تو سیلز مین نے آواز لگائی "اتنے جوتے پڑے ہیں۔ کوئی پسند نہ آیا"۔ یہ حضرت بھی کائیاں تھے، چوٹ سہہ گئے۔ خیر باہر نکلے اور تھوڑی دیر بعد پلٹ کر اسی دوکان میں پہنچے۔ ایک جوتا پسند کیا۔ اس کا فیتہ باندھا اور لگے بھاؤ تاؤ کرنے۔ اپنی طرف سے آخری قیمت لگاتے ہوئے کہنے لگے اتنے پیسے لیتے ہو یا اتاروں جوتا۔ مجھے یہ تو نہیں معلوم کہ انہوں نے جوتے کی کیا قیمت لگائی تھی البتہ اس جوتے کی قیمت جو ارباب رحیم کو پڑی تھی اس کی ایک جیالے نے بڑی اونچی قیمت لگائی ہے۔ لہٰذا اس خبر کو پڑھئے اور سر دھنئے: "سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ اور مسلم لیگ ق کے صوبائی صدر ارباب رحیم کی سندھ اسمبلی میں جس جوتے سے پٹائی کی گئی تھی اس جوتے کو خریدنے کے لئے پیپلز پارٹی کے جیالے کاظم حکیم نے چھ لاکھ روپے میں خریدنے کی پیشکش کی ہے۔ بی بی سی کے مطابق کاظم حکیم اسے اپنے ذاتی میوزیم میں رکھیں گے۔"

چھوڑیئے ڈھول ڈھپے اور جوتم پیزار کی باتوں کو۔ اب ذرا سنجیدگی سے سوچئے کہ ہمارے ان دو محترم حضرات کے ساتھ یہ معاملہ کیوں پیش آیا۔ اگر ہمیں اپنی دینی تعلیمات یاد ہوں اور ان پر ہم عمل بھی کریں تو اس قسم کے معاملات ہرگز پیش نہ آئیں۔ اس حوالے سے دو احادیث مبارکہ کا مفہوم آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ یقیناً یہ احادیث مبارکہ آپ کی نظروں سے بھی گزری ہوں گی۔ محض تذکیر مقصود ہے:

☆ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ بھلی بات کرے یا خاموش رہے۔

☆ ایک اور موقع پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم مجھے اپنے دو اعضاء کے درست استعمال کی ضمانت دو تو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ ایک وہ جو تمہارے دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور دوسرا وہ جو تمہاری دو رانوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ)۔

زبان کے نامناسب استعمال کی سزا بعض اوقات دنیا میں مل جاتی ہے جیسا کہ ان حضرات کے ساتھ ہوا۔ داناؤں کا کہنا ہے کہ ایک لمبی زبان زندگی کو چھوٹا کر دیتی ہے۔ اور رہا آخرت کا معاملہ تو وہ تو شدید تر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ق میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ نہیں نکالتا کوئی بات مگر اس کو ایک نگراں اچک لیتا ہے۔ اگر ہم اپنی ان دینی تعلیمات کو ہر وقت ذہن میں تازہ رکھیں تو ہمارے لئے خیر ہی خیر ہے ورنہ مذکورہ واقعات دنیا میں پہلی بار تو نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جو چلنا ہے محمد مصطفیٰؐ کے ساتھ چلنا ہے

خادم حسین

1975ء کی بات ہے، مسقط (سلطنت آف عمان) میں سٹرابیگ (Strawbag) جرمن روڈ کنسٹرکشن کمپنی سے پانچ پاکستانی حج کے لئے جا رہے تھے۔ کمپنی میں ہندو، سکھ، عیسائی، بدھ مت اور مسلمان اکٹھے کام کرتے تھے۔ ایک سکھ ڈرائیور نے پاکستانی مسلمان سے سوال کیا کہ تم مسجد کو اللہ کا گھر کہتے ہو، تو کیا خانہ کعبہ اللہ کا گھر نہیں۔ ظاہر ہے جواب ''ہاں'' ہی ہو سکتا تھا۔ پھر اس نے کہا کہ تم مسلمان جہاں چاہتے ہو مسجد بنا لیتے ہو، تو ہر مسلم ملک میں زیادہ نہ سہی ایک ایک ''خانہ کعبہ'' کیوں نہیں بنا لیتے؟ تاکہ سفر کی صعوبتوں اور اخراجات کے بوجھ سے بچ جاؤ''۔۔۔ گزشتہ دنوں (ماہ ربیع الاول میں) میں نے وزیر آباد میں دو عدد ''خانہ کعبہ'' بنے دیکھے تو اس سکھ کا سوال یاد آ گیا۔

یمن میں ابرہہ نے ایک ''خانہ کعبہ'' بنایا تھا۔ بعدازاں ابرہہ ایک لشکر جرار لے کر بیت اللہ کی بربادی کے ارادہ سے نکلا۔ اللہ کی غیرت نے گوارا نہ کیا۔ اور ابرہہ کو لشکر سمیت کَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ بنا دیا۔ ڈر ہے کہ کہیں ہم بھی سورۃ الفیل کا مصداق نہ بن جائیں۔ ماہ مکرم ربیع الاول کو باقی مہینوں پر اِس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ محبوب رب العلمین، امام المرسلین، سید ولد آدم، رحمۃ للعلمین کی پیدائش و وفات اس مہینہ میں ہوئی۔ مسلم دنیا پوری آن بان اور شان کے ساتھ اپنے اپنے انداز میں اظہار عقیدت کے پھول حضور نبی کریم ﷺ پر نچھاور کرتی ہے۔ تیس چالیس سال قبل اظہار محبت کے انداز کچھ اور تھے، جو سائنس اور ٹیکنالوجی کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ اب بدل چکے ہیں۔ ممکن ہے پانچ صدیاں قبل کچھ اور ہوں، دس صدیاں قبل کچھ اور ہوں اور خلافت راشدہ میں کچھ اور۔

14 ربیع الاول بروز سوموار، رات کا تیسرا پہر تھا کہ ڈھول کی آواز کے ساتھ نعروں کی گونج نے بیدار کر دیا۔ گھڑیال ساڑھے تین بجا رہا تھا، کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ ماجرا کیا ہے؟ ہمارے ہاں چوری، ڈاکے اور مزاحمت پر گولی چلنا اور عزت کی پامالی روزانہ کا معمول بن چکا ہے۔ چنانچہ جان و مال کے خطرے کے باعث دروازہ کھول کر باہر جھانکنے کی جرأت نہیں پڑتی۔ نیند سے بیدار تو ہو چکا تھا، لہٰذا چھت پر چڑھ گیا۔ شمع بردار جلوس، چاند کی روشنی میں ڈھول کی تھاپ پر کالج روڈ سے ہوتا ہوا سیالکوٹ روڈ پر پہنچ چکا تھا۔ میرے اور جلوس کے درمیان بہت سے گھر حائل تھے۔ البتہ ''چرچ'' جو قریب ہی ہے، روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ نماز فجر کے بعد میں نے جلوس کا تذکرہ نمازی حضرات سے کیا تو پتہ چلا کہ آج مسیحی برادری کی عید (ایسٹر) ہے اور جلوس بھی انہوں نے نکالا ہے۔ ایک اسلامی ملک کے اندر اقلیتوں کا جلوس نکالنا اور لوگوں کو عملی دعوت دینا سمجھ سے بالاتر ہے۔ بقول شاعر

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
گلے میں جو آئے تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

پھر خیال آیا کہ 12 ربیع الاول کو وزیر آباد میں کیا ہوا؟ میں نے فیصلہ کیا کہ آج وزیر آباد کے دو بازاروں کا خصوصی وزٹ کروں گا، تاکہ جو کچھ سنا ہے اس کا مشاہدہ کروں۔ شہر میں نکلا تو دیکھا کہ پورا شہر دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ اور سجانے والوں نے رات بھر محنت کی تھی۔ لیکن ان میں سے شاید ہی کسی کو نماز فجر ادا کرنے کی توفیق ہوئی ہو۔ سبز رنگ کے جھنڈے جن پر نعلین مبارک کا نشان تھا، ہزاروں کی تعداد میں لہرا رہے تھے۔ وزیر آباد جیسے چھوٹے سے شہر کے منظر کو دیکھ کر پورے ملک کا اندازہ لگانے کے لئے کسی بڑے کیلکولیٹر کی ضرورت نہ تھی۔

میں تین محرابوں والے دروازے، جس کو حرمین شریفین کی تصویروں سے سجایا گیا تھا، گزر کر گلیوں سے ہوتا ہوا ''بقر گلہ'' پہنچا۔ وہاں بھی تین محرابوں والے دروازے سے داخل ہوتا تھا، جس پر لکھا تھا: ''ایسا نبی ہم نے پایا۔ آقا کا میلاد آیا۔ دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبی۔ میرے آقا آئے جھومو۔ میرے مولا آئے جھومو''

تھوڑا آگے مقام ابراہیمؑ اور مسجد نبوی ﷺ کی محرابیں بنائی گئیں تھیں، جن پر لکھا تھا، چاروں طرف نور چھایا، آقا کا میلاد آیا، بچہ بچہ مسکرایا، بارھویں کا چاند آیا۔ خانہ کعبہ جس میں حجر اسود کی جگہ ملتزم اور میزاب رحمت، لکڑی کے تختوں سے تیار کر کے وہی رنگ دیا ہوا تھا۔ ''بقر گلہ'' سے خروج بھی تین محرابوں والے دروازے سے تھا جو مسجد نبوی ﷺ کے دروازوں کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ راقم مین بازار سے ہوتا ہوا ''ریل گلہ'' پہنچا۔ وہاں پر تقریباً وہی نقشہ، یعنی خانہ کعبہ کی محرابیں اور دروازے اور مقام ابراہیمؑ تھا۔ ایک شیشے میں عمامہ (پگڑی) اور مسجد نبوی بنائی گئی تھی، جس پر لکھا تھا: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ منبر رسول ﷺ اور روضہ ریاض الجنۃ بھی بنے ہوئے تھے۔ دور دور سے لوگ ''حرمین شریفین'' کے دیدار کے لئے وزیر آباد آئے ہوئے تھے۔ خروج تین محرابوں والے بڑے دروازے سے تھا۔ عصر کی نماز سے پہلے میں واپس آ گیا۔ سوچتا ہوں کیا امتی ہونے کا تقاضا یہی ہے۔ یہ تو 14 ربیع الاول کا منظر ہے۔ 12 ربیع الاول کو کیا منظر ہو گا؟

امریکہ کے بحری بیڑے خلیج میں موجود ہیں اور ایٹمی آبدوزیں بھی ان کی مدد کے لئے پہنچ گئی ہیں۔ امریکی دانشوروں نے افغانستان، پاکستان اور ایران کو اپنا مجموعی دشمن قرار دیا ہے۔ روس نے بھی خبردار کر دیا ہے کہ ایران پر حملہ کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اتباع، آپؐ کے اسوہ کامل کی پیروی کی بجائے ایسے کاموں میں پڑے ہوئے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہم باعث ثواب سمجھ کر کر رہے ہیں۔ ہمیں احساس ہی نہیں کہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان اور آپ سے سچی محبت کے تقاضے کچھ اور ہیں، اور وہ یہ کہ ہم آپ کی توقیر و تعظیم کریں، آپؐ کے بتائے ہوئے اسلوب حیات کو اپنائیں، عبادات میں، معاشرت میں، معیشت میں، سیاست میں۔ الغرض زندگی کے ہر شعبے میں یہود و نصاریٰ کے انداز کو ترک کر کے آپ کا اتباع کریں۔ آپؐ نے جس دین کے غلبہ کے لئے ہر طرح کی قربانیاں دیں، اُس کے غلبے کے لئے کوشاں ہوں۔ آپ پر ایمان اور آپؐ سے محبت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ ہم یہ عزم مصمم کریں کہ

جو چلنا ہے محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ چلنا ہے
ابد تک گونجنے والی صدا کے ساتھ چلنا ہے
چراغوں کی طرح جلنا ہے ان تاریک راہوں پر
نہ بجھنے کی قسم کھا کر ہوا کے ساتھ چلنا ہے

ایران میں اسلام مٹانے کی تحریک

سید قاسم محمود

آیت اللہ خمینی کے ترکیہ جلاوطن کردیئے جانے کے بعد امریکا نواز، پہلوی حکومت کو تیزی سے اپنی سامراجی ذمہ داری نبھانے کا بڑا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ آپ کو ترکیہ جلاوطن کردینے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے امریکی ماہرین کو قانون سے بالاتر قرار دیئے جانے پر سخت اعتراض کیا تھا۔ آپ نے اپریل 1964ء میں قم میں ایک تقریر کے دوران اعلان کیا تھا:

"امریکی صدر ایرانی قوم کی نظر میں نفرت انگیز ترین شخص ہے۔"

اِس تقریر میں خمینی نے تمام مسلم ممالک اور امتِ مُسلمہ کو تباہ و برباد کرنے کے لیے امریکا، برطانیہ اور رُوس کے انسانیت سوز منصوبوں کی نقاب کشی کی تھی۔ مسلم ممالک کے سربراہوں اور پوری مُسلم دنیا کے تمام علمائے دین (خواہ اُن کا تعلق کسی بھی مسلک اور فرقے سے ہو) کو خبردار کیا تھا کہ اسلام انتہائی زبردست خطرات سے دوچار ہے۔ بڑی مغربی طاقتیں اسلام کو نیست و نابود کر کے اسلامی ممالک اور اُن کے انسانی و قدرتی وسائل کا استحصال کرنے کے عزائم رکھتی ہیں۔ انہوں نے اپنی اس تقریر میں واضح طور پر علماء کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا تھا: "امریکا عالم اسلام میں علماء کے اثر و رسوخ کو ختم کر کے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے، کیونکہ جب تک علماء کا اثر و رسوخ باقی ہے، اس کی گاڑی ہرگز آگے نہیں بڑھ سکتی۔"

خمینی کی جلاوطنی سے پہلوی حکومت نے یہ موقع حاصل کر لیا کہ اپنے مخالف بہت سے علماء، طلبہ اور اسلام پسند انقلابی گروہوں کو گرفتار یا قتل کر کے ملک میں حبس اور خانہ جنگی کا ماحول پیدا کرے، تاکہ اسلام کے ساتھ مقابلہ جوئی کے لیے میدان ہموار ہو سکے۔ درحقیقت 1964ء سے 1978ء تک کا زمانہ ایران میں اسلام پسند عناصر کے لیے انتہائی مشکلات کا زمانہ تھا، جسے ایران میں اسلام کو مٹانے کا زمانۂ عروج سمجھنا چاہیے۔ اِس زمانے میں اسلام اور اسلامیت کو مٹانے کی غرض سے جو حربے استعمال کیے گئے ہیں، اُن کی فہرست طولانی ہے۔ خاص خاص حربے یہ تھے:

1۔ سرکاری اسلام 2۔ سرکاری کمیونزم
3۔ جُھوٹا نیشنلزم 4۔ مغربی لبرل ازم (آزادخیالی)

ایران میں بادشاہت کی موت اور اُس کی جگہ اسلام کے نام پر لائے جانے والے یہ چار حربے کسی قدر تشریح چاہتے ہیں:

سرکاری اسلام

مغربی سامراج کے کرتا دھرتا اِس امر سے اچھی طرح واقف تھے کہ مسلم ممالک میں عوام کا دینِ اسلام سے انتہائی گہرا رُوحانی اور قلبی تعلق ہے، جس سے اعلانیہ اور کھلم کھلا مقابلہ ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ ایسی غلطی کی گئی تو اُلٹا اسلام کی مزید تقویت کا باعث ہو گی، کیونکہ عامۃ المسلمین اس پر شدید ردِعمل کا اظہار کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کبھی اسلام کو جھٹلانے کی کوشش نہیں کی اور کبھی براہ راست اسلام کی مخالفت نہیں کی۔ اُن کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ اسلامی ممالک میں اپنی "پٹھو" حکومتوں کے علانیہ اور خفیہ تعاون سے حقیقی اسلام کی جگہ غیر حقیقی (روایتی) اسلام کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ غیر حقیقی، روایتی اسلام کو اِس مضمون کی حد تک ہم "سرکاری اسلام" کہہ رہے ہیں، جس سے سامراجیوں کو چار بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں:

1۔ اوّل یہ کہ اُنہیں یہ موقع مل جاتا ہے کہ وہ ظاہری طور پر عوام کے مذہبی عقائد، اسلامی تعلیمات و احکام کے خلاف کوئی اقدام کیے بغیر اسلامی ثقافت کی جگہ مغربی ثقافت کو خاموشی سے رائج کرتے جائیں اور کسی رکاوٹ کے بغیر درپردہ مسلم ممالک کی دولت کے ذخائر کو مغربی ممالک میں منتقل کرتے جائیں۔

2۔ سرکاری اسلام کو رائج کرنے کا دوسرا بڑا فائدہ سامراجیوں کو یہ پہنچتا ہے کہ وہ سرکاری عمال (اربابِ حکومت) کی مدد سے اپنی پٹھو حکومتوں کو برقرار و قائم رکھ سکتے ہیں، کیونکہ انہیں خوب معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلم ممالک میں عمال حکومت اپنے آپ کو اسلام کا حامی بتاتے رہیں گے اور خود کو مذہبی شعائر و رسوم کو انجام دینے والا ظاہر کرتے رہیں گے تو وہ عوام میں ہردل عزیز رہیں گے اور یُوں اپنی حکومت کو برقرار رکھ سکیں گے۔ لہٰذا اگر دین کے معاملات میں اُن کی طرف سے ذرہ برابر بھی بے اعتقادی اور بے اعتنائی ظاہر ہوئی تو اُن کی حکومت عوام کے درمیان متزلزل ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ افسرانِ حکومت بالعموم خود کو سچا، عامل، پنج وقتہ نمازی، روزہ دار ظاہر کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، اور یہی وجہ تھی کہ ایران میں پہلوی حکومت جو خود بھی غیر حقیقی اسلام کی حامی تھی، ایسے علماء اور اسلام پسند افراد کو، جو حکومت کی اسلام دشمنی پر تنقید کیا کرتے تھے، جلاوطن یا جیلوں میں ڈال دیا کرتی تھی، اور ایسا مشکل اور کٹھن ماحول بنا رکھا تھا کہ کوئی شخص حقیقی اسلام کی ترویج و تبلیغ تو کیا، سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ حقیقی اور سچا اسلام لانے کی باتیں کرنے والا حکومت کا باغی اور غدار سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ خود اوپر اوپر سے اسلام کا حامی ہونے کا دَم بھرا کرتی تھی۔ اور انتہائی خوبصورت اور دیدہ زیب قرآن مجید کی طباعت، نئی نئی مساجد کی تعمیر اور مذہبی رسوم کی ادائیگی پر دل کھول کر روپیہ خرچ کرتی تھی۔ جو لوگ اِن سامراجی حربوں سے واقف تھے، وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ سب کچھ دکھاوا ہے اور اسلام پر جان دینے والے، اُن سادہ لوح عوام کی فریب دینے کے لیے کیا جا رہا ہے جو سامراجیوں کی فریب کارانہ سیاست اور چالوں سے بے خبر ہیں۔

3۔ تیسرا فائدہ سامراجیوں کو یہ حاصل ہوتا ہے کہ اسلامی ممالک میں اُن کی پٹھو حکومتوں کے قائم رہنے سے اُن کا اپنا وجود بھی باقی رہتا ہے۔ اُن کو یہ اطمینان بھی رہتا ہے کہ تیسری دنیا کی دوسری غیر مسلم قوموں کے بیدار ہونے کا بھی خطرہ نہیں ہے، کیونکہ سامراجیوں کو یہ بات معلوم ہے کہ اگر اسلامی ممالک میں حقیقی اسلام رائج ہو جائے تو مسلمان یقیناً مغربی سامراج سے مقابلہ جوئی اور سبقت آزمائی کریں گے، اور اسلامی ممالک میں بیداری کی تحریک دنیا کی دوسری مظلوم و محروم قوموں کو بھی حرکت میں لائے گی اور انہیں عالمی سامراج کی بیخ کنی کے لیے متحد کرے گی، اور دنیا کی تمام مسلم و غیر مسلم اقوام کا اتحاد سامراجی طاقتوں کے لیے خطرناک ہوگا (چنانچہ ایران میں

اسلامی انقلاب کے کامیاب ہوتے ہی اُن کو اس کا تلخ تجربہ ہوگیا تھا)

4۔ چوتھا فائدہ سامراجیوں کو یہ حاصل ہوتا ہے کہ ”سرکاری اسلام“ کو رواج دینے سے ایسے بہت سے لوگوں کی نظر میں بھی دین کا بھرم جاتا رہتا ہے جو صحیح اور حقیقی دین کی جستجو میں رہتے ہیں۔ مروجہ سرکاری اسلام میں چونکہ انہیں وہ چیز نظر نہیں آتی جس کی وہ جستجو اور آرزو میں رہتے ہیں، اس لیے وہ حقیقی اسلام سے بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ مغربی دنیا میں کسی ”سرکاری مذہب“ کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ وہاں موجودہ مسیحیت، جو زندگی کے زمینی حقائق اور اصولوں سے تہی دست ہے، اُس کا وجود خود کسی ”سرکاری مذہب“ سے کم نہیں۔ ایسے مذہب کی ترقی اور رواج پانے سے سامراجی طاقتوں کو کسی قسم کی پریشانی اور خطرہ نہیں ہے، لیکن اسلامی ممالک میں ایک ”سرکاری اسلام“ کو ایجاد کیے بغیر وہاں سامراجیوں کو اپنے عزائم میں کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔

سرکاری اسلام کی ترقی و ترویج کرنے والے گروہوں میں سے ایک گروہ اُن ”لندن پلٹ“ مغرب زدہ افراد کا رہا ہے جو ”اعلیٰ تعلیم و تربیت“ حاصل کرنے کے بعد اپنے اصلی وطن لوٹنے پر اپنی گفتگو کے دوران ہر جملے پر انگریزی لہجے میں انگریزی الفاظ کا استعمال ضروری سمجھتے ہیں۔ اُن کے ذہن کے ہر خلیے اور جسم کے ہر مسام پر مغربی ثقافت کا رنگ چھایا ہُوا ہوتا ہے۔ دوسرے اسلامی ممالک کی طرح ایران میں بھی یہی ہُوا۔ اُن کے لندن یا پیرس پلٹ لوگوں کے خیال میں ایران صرف اسی صورت میں مہذب اور ترقی یافتہ ہوسکتا ہے جب وہاں کے عوام سر سے پاؤں تک مغربی تہذیب و ثقافت میں ڈھل جائیں، البتہ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ مغربی ممالک میں تعلیم یا تربیت کے حصول کے لیے جانے والے تمام افراد پر یہ بات صادق نہیں آتی، کیونکہ اِن میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ قرآن حکیم کے مطابق ”جو بات کو سنتے اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں“۔ یہ لوگ کسی یورپی ملک میں گئے، تو انہوں نے اپنی اسلامی روایات، عادات و خصائل کو ترک کیے بغیر وہاں کے علوم و فنون حاصل کیے اور وطن لوٹنے پر اُس کے ذریعے اسلام کی خدمت کی، جبکہ اکثریت ایسے افراد کی ہوتی ہے جو دعوے تو اسلام پسندی کے وہ ضرور کرتے ہیں، لیکن (نادانستہ ہی سہی) وہ اسلام کے پردے میں مغربی تہذیب کی ترویج اور سرکاری اسلام کی ترقی چاہتے ہیں۔

بیسویں صدی میں اسلامی تہذیب کو جو شدید نقصان پہنچا، وہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر ایسے افراد جو اسلامی موضوعات پر یا اسلام اور مغرب کی کشمکش پر لکھتے یا بولتے ہیں، وہ مغرب زدہ تعلیم یافتہ افراد کی پیروی کرتے ہوئے یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنی بات ثابت کرنے کے لیے کسی مغربی اسکالر کی دلیل یا قول ضرور پیش کریں۔ مغربی قولِ زریں یا دلیل کے بغیر تحقیق کو تشنہ سمجھا جاتا ہے۔

خمینی نے کہا تھا: ”امریکا عالم اسلام میں علماء کے اثر و رسوخ کو ختم کر کے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے، کیونکہ جب تک علماء کا اثر و رسوخ باقی ہے، اس کی گاڑی ہرگز آگے نہیں بڑھ سکتی۔“

یہ غلطی ایک طرح کی کوتاہ فکری اور احساس کمتری ہے، جسے اس قدر ترقی دی گئی کہ رفتہ رفتہ عوام کی بھی یہ عادت ہوگئی کہ ہر ایسے اسلامی مفہوم و مطلب کو، جس کے ساتھ مغربی تائید کا دُم چھلا لگا ہو، اُسے بڑی آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔ اس کوتاہ فکری اور ثقافتی غلامی کا گناہ اُن لندن پلٹ، تعلیم یافتہ افراد کے سر جاتا ہے، جنہوں نے مغربی فکر و ثقافت پر اسلام کا ملمع چڑھا کر اُس کی ترویج کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں مسلمان حقیقی اسلام سے مزید دُور ہوگئے۔

سرکاری اسلام کا ساتھ دینے والوں میں دوسرا گروہ ایسے افراد پر مشتمل ہے جو ”مستشرق“ کہلاتا ہے اور م شرق شناسی کا لیبل لگا کر اسلامی ممالک کے اہل دانش کو گمراہ کرتا ہے۔ مستشرقین کی اسلام اور اُس کے اصولوں اور شعبوں کے بارے میں معلومات بڑی محدود ہوتی ہیں۔ انہیں مسلمان مفکرین اور محققین کی تحقیقات کا بہت کم علم ہوتا ہے۔ انہیں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ رسول ﷺ سے اگر واقفیت ہوتی بھی ہے تو محض اوپری۔ لاعلمی اور محدود واقفیت کے علاوہ یہ لوگ ایک اور زیادتی یہ کرتے ہیں کہ مسلمان مفکرین کی تحقیقات میں حاشیہ آرائی کر کے انہیں مسخ کرتے ہیں۔ پھر اُن پر خاص مغربی افکار کا رنگ چڑھا کر انہیں انتہائی خوبصورتی سے شائع کرتے ہیں اور انہیں اپنے ہمراہ اسلامی ممالک میں لاتے اور سامراج کی پٹھو حکومتوں کی جانب سے منعقد کیے جانے والے سیمیناروں اور ورکشاپوں میں ہدیۃً تقسیم کرتے ہیں۔ یہ پٹھو حکومتیں اُن کا زبردست پروپیگنڈا کرتی ہیں، جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ عام تعلیم یافتہ فریب کھاتے ہیں، بلکہ بلند پایہ محققین و مفکرین بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اور یُوں ایک سچے اسلام پسند مصنف کو اصل حقائق و تحقیقات کو پیش کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے، کیونکہ پہلے اُسے اصل حقیقت پر چھائی ہوئی گمراہی کی گھاس پھونس کو ہٹانا پڑتا ہے۔ یہ بات دوسرے اسلامی ممالک سے کہیں زیادہ ایران میں دیکھنے میں آئی۔ پہلوی حکومت مستشرقین اور اُن کے ہم نوا اور زیر اثر ایرانی دانشوروں پر خاص توجہ دیتی، اُن پر دل کھول کر روپیہ خرچ کرتی، کیونکہ یہ مسئلہ پہلوی حکومت اور بادشاہت کی بقا کا مسئلہ تھا۔ حقیقی اسلام کے اصولوں کے مطابق خاندانی حکومت و ملوکیت برقرار نہیں رہ سکتی تھی۔ لہٰذا پہلوی حکومت میں صرف ایران ہی میں نہیں، بلکہ ایران سے باہر بھی مستشرقین کی مالی حوصلہ افزائی اور اُن کی تحقیقات کی تشہیر کے لیے زرِ کثیر سے متعدد علمی و تحقیقی مراکز قائم کیے گئے تھے، جہاں نام نہاد، مغرب زدہ، تعلیم یافتہ افراد کو اعلیٰ مشاہروں پر مامور کیا گیا تھا۔

اسلام کو ایران میں کمزور کرنے کے لیے سرکاری طور پر کمیونزم (اشتراکیت) کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی، جبکہ اُس زمانے میں دنیا بھر میں اشتراکیت کو فکری اور عملی سطح پر مطعون کیا جا رہا تھا۔ اس کی تفصیل جاننے کے لیے ملاحظہ کیجیے آئندہ شمارہ۔ (جاری ہے)

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھایئے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I،II،III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 3-5869501

اختلاف رائے یا دین میں وسعت

نظر حجازی

اُمت میں اختلاف رائے، صحت مندی اور تندرستی کی علامت ہے نہ کہ اختلاف اور انتشار کی۔ ہر شخص کی اپنی رائے ہوتی ہے جس کے اظہار کی اسے آزادی حاصل ہے، مگر اختلاف رائے رکھنے والے اکثر لوگوں کو نہیں معلوم کہ اسلام نے اس کے لیے کچھ ضابطے مقرر کیے ہیں۔ ان ضابطوں کی پاس داری نہ کرنے کی وجہ سے بعض افراد تعصب اور منافرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ دائرہ اس قدر پھیل گیا کہ امت کے افراد اور جماعتیں اختلاف رائے کی وجہ سے گروہوں میں بٹ گئیں۔ اب یہ بیماری گھن کی طرح جسدِ ملی کو اندر سے کھوکھلا کر رہی ہے۔

کائنات کی تخلیق میں اختلاف اور تنوع اللہ تعالیٰ کی سنت ہے، جسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ تنوع اور اختلاف کے ساتھ کمال ضابطے کا توازن اللہ تعالیٰ کی حکمت و دانائی کی شہادت دے رہا ہے۔ یہ رات اور دن کا باقاعدگی سے آنا اس بات پر گواہ ہے کہ زمین کو آباد کرنے کے لیے یہ نظم کمال درجہ دانائی کے ساتھ قائم کیا گیا ہے۔ اس زمین پر وہ خطے بھی موجود ہیں جہاں 24 گھنٹے کے اندر دن اور رات کا الٹ پھیر ہوتا ہے اور وہ خطے بھی ہیں جہاں بہت طویل دن اور بہت طویل راتیں ہوتی ہیں۔ کائنات کی ہر چیز میں تنوع اور اختلاف ہے۔ موسموں کا تغیر و تبدل، پہاڑ، چاند، تارے اور سیارے، اور زمین سے اُگنے والی چیزوں میں کس قدر اختلاف ہے۔ اس تنوع کے بارے میں سورۃ انعام میں ارشاد ہوا ”اور وہی (اللہ) ہے جس نے باغ پیدا کیے چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی اور کھجور اور کھیتی جن کے طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں اور زیتون اور انار جو (بعض باتوں میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور (بعض باتوں میں) نہیں ملتے۔“ (الانعام: 141)۔ حد تو یہ ہے کہ ایک ہی زمین سے اُگنے اور ایک ہی پانی سے سیراب ہونے والے پھلوں کے مزے جدا جدا ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ”اور دیکھو، زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں۔ انگور کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن میں سے کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دوہرے۔ (باوجودیکہ) سب کو ایک ہی پانی ملتا ہے، اور ہم بعض میووں کو بعض پر لذت میں فضیلت دیتے ہیں۔ ان سب چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں“ (الرعد: 4)۔ ساری زمین کو اس نے یکساں بنا کر نہیں رکھ دیا، بلکہ اس میں بے شمار خطے پیدا کیے جو متصل ہونے کے باوجود شکل میں، رنگ میں، خاصیتوں میں، قوتوں اور صلاحیتوں میں، پیداوار اور کیمیاوی یا معدنی خزانوں میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ان مختلف خطوں کی پیدائش اور ان کے اندر طرح طرح کے اختلافات کی موجودگی اپنے اندر حکمتیں اور مصلحتیں رکھتی ہے جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

اختلاف کی حکمت

اس تنوع اور اختلاف پر غور کرنے والا کبھی یہ دیکھ کر پریشان نہ ہوگا کہ انسانی طبائع، میلانات اور مزاجوں میں اتنا اختلاف کیوں پایا جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب انسانوں کو یکساں بنا سکتا تھا مگر جس حکمت پر اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے، وہ یکسانیت کی نہیں بلکہ تنوع اور رنگارنگی کی متقاضی ہے۔ سب کو یکساں بنا دینے کے بعد تو یہ سارا ہنگامۂ وجود ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ کائنات کی تخلیق میں جب اختلاف اور تنوع ہے تو پھر اس کائنات کی اہم ترین مخلوق کو اس اختلاف سے مبرا سمجھنا دانش مندی نہیں۔ جہاں دو انسان رہتے ہیں، وہاں ان کے درمیان اختلاف کا پایا جانا فطری امر ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ”اور اگر تیرا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا، مگر اب تو وہ مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے مگر جن پر تیرے رب کی رحمت ہے۔ اسی (آزادیِ انتخاب و اختیار اور امتحان) کے لیے تو اس نے انہیں پیدا کیا تھا“ (ھود: 118)۔ معلوم ہوا کہ آزادیِ انتخاب اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور ہر آدمی کو مختلف رائے رکھنے کا حق ہے مگر یہ اختلاف اگر ضابطوں سے عاری ہو جائے تو اس سے تلخیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف کی مذمت بھی کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”(ابتدا میں) سارے انسان ایک ہی امت تھے۔ پھر جدا جدا ہو گئے (انہوں نے مختلف عقیدے اور مسلک بنا لیے) اور اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے ہی ایک بات طے نہ کر لی گئی ہوتی تو جس چیز میں وہ باہم اختلاف کر رہے ہیں اس کا فیصلہ کر دیا جاتا۔“ (یونس: 19)۔ ایک اور جگہ پر اختلاف کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا: ”اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے، ان کا فیصلہ کرے (اور ان اختلافات کے رونما ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ ابتدا میں لوگوں کو حق بتایا نہیں گیا تھا، نہیں) اختلاف ان لوگوں نے کیا، جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا۔ انہوں نے روشن ہدایات پا لینے کے بعد محض اس لیے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔“ (البقرہ: 213) یہاں اختلاف کی وجہ یہ بتائی گئی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی کرنا چاہتے تھے جو کہ مذموم فعل ہے۔ ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کی وجہ سے اختلاف کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ عذاب عظیم سے خبردار کرتا ہے: ”کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے۔ جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے، جب کہ کچھ لوگ سرخ رو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہو گا۔ جن کا منہ کالا ہو گا (ان سے کہا جائے گا کہ) نعمتِ ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا؟ سو اب اس کفر کے بدلے عذاب (کے مزے) چکھو۔“ (آل عمران: 105، 106)۔ ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کی مذمت کی ہے جو حق کو باطل کا لبادہ پہنائے یا آدمی پر حق واضح ہو جائے پھر بھی وہ باطل ہی پر اڑا رہے۔

اختلاف رائے رحمت ہے!

اختلاف رائے رکھنے کی تربیت خود رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دی تھی۔ اگرچہ آپؐ کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی براہ راست رہنمائی میں ہوتا تھا مگر اس کے باوجود رسول اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے تھے۔ کئی معاملات میں اپنی رائے کو چھوڑ کر صحابہ کرامؓ کی رائے پر عمل فرمایا۔ صحابہؓ کی تربیت اس نہج پر ہوئی تھی کہ ان میں سے ہر ایک اپنے انداز سے چیزوں کو دیکھے اور نتائج اخذ کرے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ وہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور تفرقے میں نہ پڑیں۔ ارشاد ربانی ہے: ''سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے......'' (آل عمران:103)۔ اختلاف رائے رکھنا فطری اور طبعی امر ہے مگر اختلاف رائے رکھنے کی وجہ سے تفرقے میں پڑنا مذموم قرار دیا گیا ہے۔ آیت مبارکہ میں اسی طرف نشان دہی کی گئی ہے۔ اختلاف رائے رکھنا اور تفرقے میں پڑ جانا، دو الگ چیزیں ہیں۔

اس آیت کی روشنی میں اگر ہم مسلم امت کا ماضی قریب اور حال دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ امت کے افراد مختلف مکاتب فکر رکھنے کی وجہ سے تفرقے میں پڑ گئے ہیں، حالانکہ مختلف مکاتب فکر کا وجود فی نفسہٖ معیوب نہیں بلکہ یہ اسلام میں تنوع ہے۔ اسلام قیامت تک کے لیے باقی رہنے والا دین ہے، جس میں فروعی معاملات میں اختلاف رائے رکھنا معیوب نہیں، بلکہ یہ اسلام ہی کا خاصہ ہے کہ اس میں اتنی لچک ہے کہ یہ ہر زمانے اور ہر قسم کی سوچ و فکر رکھنے والے لوگوں کے لیے یکساں طور پر قابل عمل ہے۔ اسلام کے مختلف مکاتب فکر اس بات کی نشانی ہیں کہ ہمارا دین لچک دار ہے کہ اس کے ماننے والے فروعی مسائل میں اختلاف رائے رکھ سکتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا معروف قول ہے: ''فروعی معاملات میں اصحاب رسول ﷺ کا اختلاف ہمارے لیے باعث رحمت ہے کیونکہ اگر وہ ان فروعی معاملات میں اختلاف نہ کرتے تو مسلمانوں کے لیے آسانیاں پیدا نہ ہوتیں'' (فیض القدیر)۔ ایک اور مقام میں ان کا یہ قول بھی معروف ہے کہ ''یہ امت کے لیے رحمت ہے کہ اصحاب رسول ﷺ نے فروعی معاملات میں اختلاف کیا کیونکہ اگر وہ ان معاملات میں اختلاف نہ کرتے اور بعد میں آنے والے لوگ اختلاف کرتے تو اختلاف رکھنے والا گمراہ سمجھا جاتا۔ مگر یہ اللہ کی رحمت ہے کہ انہوں نے اختلاف رائے رکھا کہ بعد میں آنے والے لوگ صحابہ کرامؓ کے مختلف اقوال پر عمل کر سکیں۔ اس میں ان کے لیے آسانی پیدا ہوئی'' (الاختلاف الفقہی مظہرۃ لا عیب، ڈاکٹر کمال المصری)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے گئے تو پیچھے بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ جب وہ واپس آئے تو ہارون علیہ السلام سے پوچھا: ''تم نے جب دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہو رہے ہیں تو کس چیز نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا کہ میرے طریقے پر عمل نہ کرو؟ کیا تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟'' ہارونؑ نے جواب دیا: ''اے میری ماں کے بیٹے! میری داڑھی نہ پکڑ، نہ میرے سر کے بال کھینچ، مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آ کر کہے گا: تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا'' (طٰہٰ:92 تا 94)۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے جواب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قوم کو بچھڑے کی پوجا سے منع ضرور کیا ہوگا مگر ان کی اس گمراہی پر وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے کہ کہیں قوم میں پھوٹ نہ پڑ جائے۔ حضرت ہارونؑ کے اس موقف کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی تسلیم کیا۔ معلوم ہوا کہ مختلف مکاتب فکر کے لوگ اپنی رائے پر اس قدر اصرار نہ کریں جس کے باعث قوم میں پھوٹ پڑ جائے۔

علماء وصلحاء کی روش

اختلاف رائے کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امت کے علماء اور صلحاء خواہ ان کا تعلق کسی بھی مکتب فکر سے ہو، ان سب کا دین کے بنیادی اور اساسی امور میں اتفاق ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت پر اختلاف نہیں رکھتے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر فرائض میں ان کا اختلاف نہیں۔ جو چیزیں قرآن مجید اور سنت طیبہ میں حرام ہیں، جیسے سور کا گوشت، شراب، مردار کا کھانا و دیگر منہیات، ان سب پر علمائے امت کا اتفاق ہے خواہ وہ سنی مکاتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں یا اہل تشیع ہوں، البتہ سنی اور شیعہ، نیز سنیوں کے مختلف مکاتب فکر کا اختلاف ان امور میں ہے جو دین کی اساسی بنیادیں نہیں بلکہ فروعی معاملات ہیں۔ ان فروعی معاملات میں اختلاف کرنے کے باوجود علمائے امت کا کیا رویہ تھا؟ کیا وہ اپنے موقف پر اس قدر اصرار کرتے تھے کہ اُمت میں پھوٹ پڑ جائے اور لوگ فرقوں میں بٹ جائیں؟ علمائے امت کی روشن تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اصحاب مکاتب فقہ کے علاوہ علمائے اُمت میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ ان کی وسعت ظرفی کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

☆ امام شافعیؒ کا معروف قول ہے: ''میری رائے صحیح ہے جس میں غلطی کا امکان بہر حال موجود ہے، جب کہ دوسرے کی رائے غلط ہے مگر اس میں صحت کا امکان موجود ہے'' (ادب الاختلاف، ڈاکٹر جمال نصار)۔ ایک جگہ پر وہ فرماتے ہیں: ''جب کسی مسئلے پر میری کسی سے بحث ہوتی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس کی زبان سے حق ظاہر کر دے تا کہ میں بھی اس حق کی اتباع کروں۔'' (ایضاً)

☆ مدینہ منورہ کے سات اہم ترین فقہاء میں سے ایک کا نام القاسم بن محمد تھا۔ ان کی وسیع الظرفی اور دور اندیشی دیکھیے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ امام کے پیچھے مقتدی کو فاتحہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ''امام کے پیچھے اگر مقتدی فاتحہ پڑھ لے تو رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی اتباع کرے گا اور اگر نہیں پڑھے گا تب بھی رسول اکرم ﷺ کے صحابہؓ کی اتباع کرے گا۔'' (جامع بیان العلم)

☆ امام مالکؒ نے مشہور زمانہ کتاب الموطا جب تحریر کی تو وقت کے حاکم نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس کتاب کو کعبۃ اللہ میں رکھا جائے اور تمام مسلمانوں کے لیے اس کو مرجع قرار دیا جائے۔ امام مالک نے ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ''امیر المومنین ایسا نہ کیجیے، ایک ہی رائے پر عمل کرنا مسلمانوں کے لیے شاق ہوگا''۔
(ادب الاختلاف، ڈاکٹر جمال نصار)

☆ ائمہ کرامؒ نے کبھی بھی اپنی رائے کو حرف آخر قرار نہیں دیا۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے: ''یہ میری رائے ہے اور میں نے بہتر رائے دینے کی کوشش کی ہے۔ اگر کسی کے پاس اس سے بہتر رائے ہے تو اسے قبول کرنے میں ہمیں کوئی عار نہیں۔'' (قوعد حاکمہ فی الاختلاف الرشید، فتحی عبدالستار)۔

امام مالکؒ کہا کرتے تھے: ''میں انسان ہوں، میری رائے غلط بھی ہو سکتی ہے، لہٰذا میری رائے کو کتاب وسنت کی کسوٹی میں کسا کرو۔'' امام شافعیؒ سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے: ''میری رائے کے خلاف اگر صحیح حدیث ہو تو میری رائے کو دیوار پر دے مارو۔ اگر صحیح قول جس کی بنیاد صحیح حدیث پر ہو، تمہیں راہ چلتے کسی شخص سے مل جائے تو اس پر عمل کرو اور سمجھو یہ میری رائے ہے''۔ (ایضاً)

☆ ائمہ اربعہ سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی تقلید کرنے سے منع کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ''کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر عمل کرے تاوقتیکہ اسے معلوم ہو کہ ہماری رائے کی بنیاد کیا ہے'' (ایضاً)۔

ائمہ اربعہ سے یہ بات بھی معروف ہے کہ جب وہ کسی دوسرے امام کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اپنی رائے کے بجائے ان امام کی رائے پر عمل کرتے تھے۔ دوسرے امام کے احترام میں وہ ایسا کرتے تھے۔ امام شافعیؒ فجر کی نماز میں قنوت کو واجب قرار دیتے تھے مگر جب وہ عراق گئے تو امام ابو حنیفہؒ کی رائے کا احترام کرتے ہوئے فجر کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے، حالانکہ امام ابو حنیفہؒ اس وقت انتقال کر چکے تھے (ایضاً)۔ اختلاف رائے اپنی جگہ، مگر احترام اور عزت و توقیر اپنی جگہ۔ یہ تھے ہمارے ائمہ کرامؒ جنہوں ہمارے لیے روشن مثالیں چھوڑی ہیں۔ (جاری ہے)

(بشکریہ ترجمان القرآن)

ابھی سے سوچ لو......

امجد رسول امجد

ظالمو، جس شخصیت نے تمہیں سر اُٹھا کے چلنا اور غیرت سے جینا سکھایا، باسٹھ مسلم ممالک کے ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمانوں کا سر فخر سے بلند کر دیا، اسلامی جمہوریہ پاکستان کو دنیا کی آٹھویں ایٹمی طاقت بننے کا اعزاز دے کر دنیا کے کافروں کی نیندیں حرام کر دیں، تم نے اس عظیم ہستی کو ایک بدترین کافر کے حکم سے ناجائز گرفتار کر لیا۔ اس پر ناجائز مقدمات بنا دیئے۔ اسے مجرم بنا دیا۔ اسے نظر بند کر دیا۔ اس کے فون کاٹ دیئے۔ اس کی بجلی بند کر دی۔ یہ عظیم شخصیت محسنِ ملت اور فرزندِ پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر ہیں جو آج بھی قیدِ تنہائی میں ایک بھیانک اور اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ظالمو، تمہارے ظلم کی یہ رات ان شاء اللہ جلد ختم ہونے والی ہے، مگر افسوس اس بات کا ہے کہ مستقبل میں مائیں اپنے بچوں کو کس منہ سے سائنسدان بنائیں گی۔

تم نے صرف ایک ظلم نہیں کیا بلکہ مظالم کی انتہا کر دی۔ تم نے قانون کو یرغمال بنا لیا۔ تم نے عدلیہ کو مفلوج کر دیا۔ تم نے اسلام کو نام نہاد روشن خیالی سے گہنانے کی کوشش کی۔ تم نے صحافت کو قیدی بنا دیا۔ تم نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ایٹمی طاقت کو مذاق بنا دیا۔ تم نے کافروں کی جھولی میں بیٹھ کر افغانستان کے معصوم اور غریب بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر رات دن بم برسائے۔ تم نے افغانستان میں نظامِ مصطفی ﷺ کے لئے کوشاں طالبان حکومت کی مخالفت کی انتہا کر دی۔ تم نے ستر معصوم بچوں کو باجوڑ میں فجر کے وقت مسجد میں بم مار کے لہولہان کر دیا۔ تم نے اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون نافذ کرنے والے مجاہدین کو پکڑ پکڑ کر چند ڈالروں کے عوض کافروں کے حوالے کر دیا۔ تم بک گئے۔ تمہارا ضمیر مردہ ہو گیا۔ تمہیں یوم آخرت بھول گیا۔ تم دنیا کے فانی عیش میں مست ہو گئے۔ اللہ تمہاری رسی دراز کر رہا تھا، مگر افسوس کہ تم اسے کامیابی سمجھ بیٹھے تھے۔ اُس وقت تمہارے دلوں پر مہر جباریت لگ گئی تھی۔

تمہارے دور کی فحاشی، عریانی، بے پردگی، جوا، شراب اور مساج سینٹر، گندی سی ڈیز اور ننگے کلب دیکھ کر لوگوں نے ہزاروں ٹیلیفون اور خطوں کے ذریعے لال مسجد کے خطیب غازی برادران کو شکایات کیں۔ غازی برادران نے غیر اسلامی نظام کے خلاف نعرۂ حق بلند کیا۔

مسلمانو! ذرا اپنی تاریخ تو پڑھو کہ نعرۂ حق لگانے والوں کی تاریخ کتنی ملتی جلتی ہے۔ صدیوں پہلے تین محرم کو میدانِ کربلا میں حق کے پرستاروں کا گھیرا تنگ ہوا۔ آج تین جولائی کو جامعہ حفصہ میں حق کی آواز لگانے والوں کے ارد گرد مورچے بنا دیئے گئے۔ کل سات محرم کو حق والوں کا پانی بند ہوا، آج سات جولائی کو لال مسجد کی گیس، بجلی اور پانی کے کنکشن کاٹ دیئے گئے۔ کل آٹھ محرم کو شہدائے کربلا نے درختوں کے پتے کھا کے گزارا کیا، آج آٹھ جولائی کو لال مسجد والوں نے درختوں کے پتے کھا کے روزہ رکھا۔ کل نو محرم کو پاک دامن طیب و طاہرہ مستورات نے جام شہادت نوش کیا، آج نو جولائی کو جامعہ حفصہ کی عالمہ اور حافظہ بچیوں نے آگ اور گولیوں کی برسات میں تڑپ تڑپ کر جام شہادت نوش کیا۔ کل بھی مسلمان مستورات کو قیدی بنا لیا گیا تھا، آج بھی جامعہ حفصہ کی مسلمان مستورات کو ہتھکڑیاں پہنا کر قیدی بنا لیا۔

ظالمو! تم نے حق کو دبانے کے لیے ظلم کی انتہا کر دی۔ تم نے سولہ ہزار فوج کو آتشیں اسلحہ سے لیس کر کے اللہ کے گھر پر حملہ کر دیا۔ میرا یہ ایمان ہے کہ اس ظلم میں جس جس نے جتنا جتنا حصہ ڈالا، وہ اس دنیا میں چین پائے گا نہ اُس دنیا میں سکون۔ ظالمو، تم نے مسجد کے میناروں پر گولیاں برسائیں۔ تم نے اللہ اکبر کی صدا کو بارود سے خاموش کر دیا۔ تم نے اللہ کا قرآن اور نبی پاکؐ کا فرمان پڑھنے والی پاک اور طیب زبانوں کو لہو میں رنگین کر کے ابدی نیند سُلا کر وکٹری کے نشان بنائے۔ تم نے بالاکوٹ کے زلزلے میں لٹے پٹے معصوم غریب یتیم بچوں اور بچیوں کو خون میں نہلا دیا۔ تم نے اِن کی جھولیوں میں قرآن اور حدیث کی کتب جلا دیں۔ تم پتھر سے بھی سخت ہو گئے۔ تمہارے سینے سیاہ ہو گئے اور اِن پر ابلیس نے قبضہ کر لیا۔ تمہیں لال مسجد کی ننھی منی بچیوں کو چیختے چلاتے، روتے اور خون میں لت پت تڑپتے ہوئے اپنی بچیاں یاد نہ آئیں۔ مسلمان تو کافروں کی بچیوں کی بھی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر میری بات پر اعتبار نہیں تو میرے ساتھ چلو، میں تمہیں رحمت کائنات حضرت محمد ﷺ کے دربار میں لے چلوں، جہاں حاتم طائی کی بیٹی اور حضرت عدیؓ کی بہن دربار رسالت میں قید ہو کر آئی تو آپؐ نے اپنی وہ چادر جس کے تذکرے اللہ تعالیٰ قرآن میں کرتا ہے، اپنے کندھے سے اُتار کر اس کے نیچے بچھا کر اس کی مہمان نوازی کی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین بول اُٹھے کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ کافر کی بیٹی ہے۔ نبیٔ رحمت نے فرمایا کہ بیٹی آخر بیٹی ہوتی ہے چاہے کافر کی ہی کیوں نہ ہو۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج خنزیر کا گوشت کھانے والے اِن بدنسلوں نے اُس ہستی کے کارٹون بنا ڈالے جس ہستی نے کل ان کی بیٹی کی مہمان نوازی کے لئے دونوں جہانوں سے قیمتی چادر بچھا دی تھی۔

ہم نے انسان کو پتھر ہوتے سنا تھا اور پھر قرآن سے یہ بھی سنا کہ بعض پتھر بھی خشیت الٰہی سے رو پڑتے ہیں، تم نہ انسان رہے نہ پتھر رہے۔ تم فرعون، نمرود اور شداد بن گئے۔ صدیوں پہلے بھی اسی طرح ایک بادشاہ نے طاقت کے نشے اور گھمنڈ میں ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ بیت اللہ پر حملہ کیا تھا، اللہ نے اسے ابابیلوں سے پٹوا کر تباہ و برباد کر کے عبرت کا نشان بنا دیا۔ ظالمو! مت بھولو کہ ایک دن روزِ محشر لگے گا اور لال مسجد پر چڑھائی کرنے والوں کو اپنے اپنے حصے کا حساب دینا ہو گا۔

قرآن کہتا ہے کہ روزِ محشر مشرکین مکہ سے ان کی بیٹیاں یہ سوال کریں گی کہ ہم کو زندہ درگور کر کے کس جرم کی سزا دی گئی۔ ہمارا ایمان ہے کہ اس وقت لال مسجد کی شہید بچیاں بھی تم سے یہی سوال کریں گی کہ ہم کو کس جرم کی سزا پر زندہ جلا دیا گیا۔ وہاں پر جو تم نے رب کو جواب دینا ہے، ابھی سے سوچ لو......

کتاب سادہ رہے گی کب تک، کبھی تو آغازِ باب ہو گا
جنہوں نے بستی اُجاڑ ڈالی کبھی تو ان کا حساب ہو گا
سکوتِ صحرا میں رہنے والو، ذرا رُتوں کا مزاج سمجھو
جو آج کا دن سکوں سے گزرا تو کل کا موسم خراب ہو گا

حکومت کیا کرے؟

جاوید چودھری

وزیراعظم یوسف رضا گیلانی اٹھنے لگے تو مرحومہ بشریٰ کی ساس نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان سے عرض کیا، ”میری ابھی تین بیٹیاں بن بیاہی بیٹھی ہیں، ہم کرائے کے مکان میں رہتے ہیں۔ ہمارا خاندان روزانہ سو روپے کماتا ہے۔ ہم تیس روپے کا گھی خریدتے ہیں اور چالیس روپے کا آٹا۔ آپ بتائیں، ہم باقی زندگی کیسے بسر کریں گے؟“ مرحومہ کے خاوند محمد رمضان کی والدہ نے وزیراعظم سے عرض کیا، ”بڑے صاحب! آپ مہنگائی کو توڑ دو ورنہ ہمارے دوسرے بچے بھی مر جائیں گے“۔ وزیراعظم بوڑھی خاتون کی باتیں سن کر دنگ رہ گئے اور انہوں نے اسی وقت اس خاندان کو مکان فراہم کرنے اور سرکاری خرچ پر بچیوں کی شادی کرانے کا اعلان کر دیا۔ وزیراعظم نے اس خاندان کو دو لاکھ روپے کا چیک بھی پیش کیا۔ وزیراعظم اس کے بعد ایک کمرے کے اس مکان سے نکلے تو انہوں نے مکہ کالونی کی سڑک بنوانے اور آبادی کو دیگر سہولیات فراہم کرنے کا حکم بھی دیا۔ وزیراعظم ان تمام احکامات کے بعد مکہ کالونی سے رخصت ہو گئے، لیکن وہ جاتے جاتے اپنے پیچھے بے شمار سوالوں کی گرد چھوڑ گئے۔

پاکستان میں اس وقت محمد رمضان اور بشریٰ جیسے 8 کروڑ لوگ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دنیا کے بڑے بڑے معیشت دان خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والی مخلوق کہتے ہیں۔ لیکن یہ بے چارے ایسے لوگ ہیں جنہیں خط غربت کا پتہ ہے اور نہ ہی انہیں یہ معلوم ہے کہ یہ خط شروع کہاں سے ہوتا ہے اور ختم کہاں ہوتا ہے۔ پاکستان ایک ایسا بدقسمت ملک ہے جس میں چار کروڑ بیس لاکھ لوگوں کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے کہ وہ کل کے لئے آٹا خرید سکیں۔ یہ لوگ روز مزدوری کے لئے نکلتے ہیں اور جس دن انہیں دو اڑھائی سو روپے کی دیہاڑی مل جاتی ہے، یہ لوگ اس دن کا آٹا خرید لیتے ہیں، بصورت دیگر یہ پانی کا پیالہ پی کر سو جاتے ہیں۔ ان چار کروڑ بیس لاکھ اور 8 کروڑ لوگوں میں نہ جانے کتنے لوگ بشریٰ اور محمد رمضان کی نفسیاتی کیفیت سے گزر رہے ہیں۔ ان میں کتنے لوگ ہوں گے جو سارا سارا دن ٹرین کے سامنے لیٹنے، پل سے چھلانگ لگانے اور زہر کھانے کی ترکیبیں سوچتے ہیں اور شام کو اپنے اس ارادے کو اگلے دن پر ملتوی کر دیتے ہیں۔ ہمارے وزیراعظم کتنے رمضانوں کے گھر جائیں گے۔ وہ کتنی بشراؤں کی تعزیت کریں گے۔ وہ کتنے محمد عارفوں کو مکان دیں گے اور وہ کتنے عاشق حسینوں کی بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کرائیں گے۔ یہ غربت نہ ختم ہونے والا ایک ایسا صحرا ہے، جس پر ایک آدھ دن کی بارش کوئی نخلستان آباد نہیں کر پائے گی۔ اس کے لئے ہمیں ٹھوس اقدامات کرنا ہوں گے۔ اس کے لئے ہمیں اپنی ترجیحات کو ری شیپ کرنا ہوگا۔ ہمیں قومی سطح پر غربت کے ناسور، افلاس کے کینسر اور

مغربی نظام معیشت کی دوسری مہلک خرابی اس کی مادیت پرستی ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جس کے سینے میں دل نہیں، یہ لوگوں کو مشین بنا دیتا ہے اور وہ کریڈٹ کارڈز، سود اور قسطوں کے ایک ایسے جال میں الجھ جاتے ہیں، جس سے انہیں موت کے بعد ہی رہائی ملتی ہے

ناداری کی ”ٹی بی“ کا مقابلہ کرنا ہوگا اور پھر کہیں جا کر ہمیں منزل ملے گی۔

ہم تمام کالم نویسوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے ہم ایسے ڈاکٹر ہیں جو مرض کی تشخیص تو کر لیتے ہیں لیکن ہمارے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ یہ الزام بڑی حد تک درست ہے، بلاشبہ ہم ایسے سرجن ہیں، جنہیں مریض کا پیٹ پھاڑنا تو آتا ہے لیکن ہم زخموں کو سینے کے ماہر نہیں ہیں۔ چنانچہ ہم اکثر اوقات آپریشن کے بعد مریض کو آپریشن تھیٹر میں چھوڑ کر فرار ہو جاتے ہیں۔ لیکن میں آج یہ گلہ بھی دھو دینا چاہتا ہوں۔ میں آج سے ایک ایسی بحث کا آغاز کر رہا ہوں، جس میں ہم پاکستان کے بنیادی مسائل کا حل تلاش کریں گے۔ میں اپنے تمام قارئین کو دعوت دیتا ہوں، اگر ان کے پاس پاکستان سے غربت ختم کرنے کا کوئی فارمولہ موجود ہے اور وہ محدود پیمانے پر یہ فارمولہ ٹیسٹ کر چکے ہیں اور اس ٹیسٹ کے مثبت نتائج برآمد ہوئے ہیں تو وہ اپنا یہ فارمولہ مجھے بھجوا دیں، میں ان کے فارمولے وقتاً فوقتاً اس کالم میں شائع کرتا رہوں گا۔ ہو سکتا ہے یہ فارمولہ ارباب اختیار تک پہنچ جائے۔ وہ اسے ”پک“ کر لیں اور یوں یہ ملک اس ”ٹریک“ پر آ جائے جس کے آخر میں روشنی کاشت ہوتی ہے۔

میں اس بحث کا آغاز کرتا ہوں، جناب وزیراعظم صاحب! دنیا میں معیشت کے دو بڑے نظام ہیں۔ ایک ویسٹرن اکنامک سسٹم ہے اور دوسرا اسلامی نظام معیشت۔ ویسٹرن اکنامک سسٹم میں حکومتیں ملک میں بڑے بڑے منصوبے شروع کرتی ہیں۔ وہ موٹرویز بناتی ہیں، ملک میں صنعتوں اور میگا مالز کا جال بچھاتی ہیں۔ وہ بڑے بڑے بازار اور منڈیاں بناتی ہیں۔ بینک اور سرمایہ کاری کے ادارے قائم کئے جاتے ہیں اور جب ان اداروں میں معاشی سرگرمیاں شروع ہوتی ہیں تو یہ سرگرمیاں پہلے ملک کے مراعات یافتہ طبقے تک پہنچتی ہیں۔ اس کے بعد مڈل کلاس کے پاس آتی ہیں اور اس کے بعد خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والے لوگوں تک پہنچتی ہیں۔ شوکت عزیز جیسے معیشت دان اس عمل کو ”ٹریکل ڈاؤن“ کہتے ہیں۔ معیشت کا یہ نظام اس وقت دنیا کے بے شمار ممالک میں کام کر رہا ہے اور کامیاب بھی ہے۔ اس نظام میں بے شمار خوبیاں ہیں لیکن اس میں دو انتہائی مہلک خرابیاں بھی ہیں۔ اس کی پہلی خرابی ٹریکل ڈاؤن ہے، اس نظام کو ٹریکل ڈاؤن ہونے کے لئے کم از کم تیس برس درکار ہوتے ہیں اور یہ تیس برس بھی ایسے ہوں جن میں معیشت کا عمل دن رات جاری رہے۔ اس سسٹم میں ایک دن کا التواء اس کے ٹریکل ڈاؤن ایفکٹ کو چھ ماہ آگے لے جاتا ہے اور اس کی دوسری خرابی اس کی مادیت پرستی ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جس کے سینے میں دل نہیں، یہ لوگوں کو مشین بنا دیتا ہے اور وہ کریڈٹ کارڈز، سود اور قسطوں کے ایک ایسے جال میں الجھ جاتے ہیں، جس سے انہیں موت کے بعد ہی رہائی ملتی ہے۔ لہٰذا یہ سسٹم ہمارے جیسے ملک کو سوٹ نہیں کرتا۔ اس کی بھی دو وجوہات ہیں، اول ہم مسلمان ہیں اور کوئی سودی نظام کسی مسلمان کو سوٹ نہیں کر سکتا۔ ہم جب کلمہ پڑھ لیتے ہیں تو ہم پر سود اور سودی نظام حرام ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ معیشت ہمیں سکون اور برکت نہیں دے پاتی۔ دنیا کی چودہ سو سال کی تاریخ میں آج تک کسی (باقی صفحہ نمبر 4 پر)

گیس کی پاکستان درآمد

پاکستان میں توانائی کے بحران پر قابو پانے کے لیے حکومت ترکمانستان اور ایران سے گیس درآمد کرنے کے سلسلے میں مذاکرات کر رہی ہے۔ ترکمانستان، افغانستان، پاکستان، انڈیا گیس پائپ لائن منصوبے کے تحت 100 ملین کیوبک میٹر گیس پاکستان کو ملے گی۔ اس میں سے 60 لاکھ کیوبک میٹر گیس بھارت جائے گی۔ یہ پائپ لائن 1435 کلومیٹر طویل ہوگی اور ترکمانستان کے علاقے دولت آباد سے چلے گی۔

2003ء میں اس منصوبے پر 3.3 ارب ڈالر کا تخمینہ لگایا گیا تھا۔ اب یہ بڑھ کر 4 ارب ڈالر تک پہنچ گیا ہے۔ پاکستانی حکومت کا خیال تھا کہ پائپ لائن کی تعمیر 2007ء میں شروع ہو کر 2011ء تک ختم ہو جائے گی مگر سیاسی انتشار کے باعث ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ اب پاکستانی حکومت اسے 2018ء تک مکمل کرنا چاہتی ہے۔ اُدھر ایشیائی ترقیاتی بینک نے بھی یہ نوید دی ہے کہ وہ منصوبے پر 5 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کرنے کو تیار ہے۔ یہ اعلان شاید امریکا کے اشارے پر ہوا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ ایران سے برعظیم ہندوپاک میں گیس آئے۔ تاہم دونوں ممالک کا ایران سے مسلسل رابطہ ہے۔

افغانستان: ولندیزی جنرل کا بیٹا مارا گیا

پچھلے جمعہ افغانستان کے صوبہ ارزگان میں چار ولندیزی فوجی گشت پر تھے کہ ان کی گاڑی سڑک کے کنارے پڑے بم سے ٹکرا گئی۔ دھماکے میں دو ولندیزی فوجی مارے گئے۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ ان میں سے ایک 23 سالہ لیفٹیننٹ ڈینس وان اہم ہالینڈ کی افواج کے نئے سربراہ جنرل وان اہم کا بیٹا تھا۔ یقیناً باپ پر یہ خبر بجلی بن کر گری ہوگی۔

یاد رہے، جب سے بدبخت ولندیزی رکن اسمبلی گیرٹ وائلڈرز نے توہین قرآن کا ارتکاب کیا ہے، افغانستان میں ولندیزی فوجیوں پر حملے بڑھ گئے ہیں۔ افغانستان میں 1650 ولندیزی فوجی طالبان مجاہدین کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ نومبر 2007ء میں ولندیزی حکومت نے طے کیا تھا کہ ان کی فوج 2010ء تک افغانستان میں رہے گی۔

افغان کیمٹی کا نیا قانون

چند ماہ پہلے افغان پارلیمنٹ نے ایک نیا اخلاقی قانون تیار کرنے کے سلسلے میں کیمٹی تشکیل دی تھی۔ کیمٹی نے وہ نئے اخلاقی قانون کا مسودہ تیار کر لیا ہے، جو منظوری کے لیے اب پارلیمان کے دونوں ایوانوں میں پیش ہوگا۔ اگر وہاں منظور ہو گیا، تو پھر صدر حامد کرزئی کے دستخط اس قانون کو باضابطہ طور پر نافذ کر دیں گے۔

اس نئے اخلاقی قانون میں لڑکیوں اور خواتین سے کہا گیا ہے کہ وہ میک اپ کر کے بازاروں میں نہ گھومیں پھریں اور دفتر یا کمرۂ جماعت میں حجاب پہنیں۔ نیز قانون کی رو سے خواتین عوامی تقریبات اور ٹی وی پر ڈانس نہیں کر سکیں گی۔ قانون میں ٹیلی ویژن اور کیبل نیٹ ورکوں کو کہا گیا ہے کہ وہ اسلامی اخلاقیات کے منافی پروگرام پیش نہ کریں۔ یاد رہے، کچھ عرصہ قبل افغان پارلیمنٹ میں یہ قرارداد پیش کی جا چکی ہے کہ نجی ٹیلی ویژن نیٹ ورکوں کو حکم دیا جائے کہ وہ ڈانس کے پروگرام اور لچر بھارتی ڈرامے نہ دکھائیں۔ یہ قانون اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ لڑکے نسوانی لباس نہ پہنیں اور نہ ہی میک اپ کریں۔ مزید برآں کتوں، مرغوں کی لڑائی، کبوتروں کی بازیوں، بلیئرڈ اور کمپیوٹر گیمز پر بھی پابندی لگا دی جائے کیونکہ یہ نوجوان نسل کا وقت تباہ کرتے ہیں۔ قانون میں یہ مطالبہ بھی ہے کہ شادی کی تقریبات کے دوران خواتین اور مرد الگ ہالوں میں بیٹھیں اور تیز آواز میں گانے نہ سنے جائیں۔

درج بالا اخلاقی قانون کی شقیں اسلامی تعلیمات پر مبنی ہیں، اور مسلمان حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان پر عمل درآمد کرائے۔ افغانستان کے کٹھ پتلی حکمران اگر ایسا قانون متعارف کراتے ہیں تو یقیناً اسے خوش آئند ہی قرار دیا جا سکتا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ کٹھ پتلی افغانی انتظامیہ کو چاہیے کہ اپنے ملک پر قابض امریکی استعمار کو ملک سے نکال باہر کرنے کے سلسلے میں طالبان جدوجہد کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالے بلکہ انہیں سپورٹ کرے...... اب یہ افغان پارلیمنٹ پر منحصر ہے کہ وہ اس مسودہ قانون کو منظور کرتی ہے یا نہیں، البتہ اس میں ہمارے لئے بھی سبق ہے، وہ یہ کہ امریکہ کی کٹھ پتلی ہونے کے باوجود افغان گورنمنٹ اگر اپنے ہاں یہ قانون بنا سکتی ہے تو ہم کہ جنہوں نے اسلام کے نام پر یہ ملک بنایا ہے، اپنے ملک میں فحاشی و عریانی اور طوفان بدتمیزی پر ٹوک کیوں نہیں لگا سکتے۔ ستر و حجاب اور دینی اقدار کا تحفظ کیوں نہیں کرتے۔ جبکہ یہی چیز ہماری بقا و سلامتی کی ضامن ہے۔

لندن کے میئر کا انتخاب

یکم مئی کو لندن کے بااثر میئر کا انتخاب ہو رہا ہے۔ 2000ء سے اس عہدے پر کین لیونگ سٹون فائز چلے آ رہے ہیں جو مسلمانوں کے دوست سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے کئی مواقع پر مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اور اسلام سے خوف (اسلاموفوبیا) کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ فلسطینی جدوجہد کی حمایت کرتے اور اسرائیلی دہشت گردی کے مخالف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لندن میں مقیم مسلمان ان کے حق میں پُرزور انتخابی مہم چلا رہے ہیں۔ انتخابات میں کین کے مرکزی حریف کنزرویٹو پارٹی کا رہنما بورس جانسن ہے۔ (کین خود لیبر پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں)۔ بورس جانسن صحیح طور پر مسلمانوں کا حامی نہیں۔ جب 2005ء میں لندن میں بم دھماکے ہوئے، تو اس نے لکھا تھا "اسلام مرکزی مسئلہ ہے" اور یہ کہ وہ تمام مذاہب میں سب سے زیادہ فرقہ ورانہ نیچر رکھتا ہے۔ گویا اس کا منتخب ہونا لندن کے مسلمانوں کے لیے ہرگز مفید نہیں۔

انڈونیشیا: قادیانی سرگرمیاں پر پابندی

آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑے مسلمان ملک انڈونیشیا میں تقریباً پانچ لاکھ قادیانی یا احمدی آباد ہیں۔ یہ اسی نوے سال سے یہاں اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ چونکہ انہوں نے انڈونیشیا کی مرکزی اسلامی تنظیموں سے اچھے تعلقات رکھے، لہٰذا ان کے مابین اختلاف پیدا نہ ہو سکے۔ لیکن اب نئی انڈونیشی نسل کو مرزا غلام احمد قادیانی کی اصل تعلیمات سے واقفیت حاصل ہوئی، تو نئی اسلامی تنظیمیں مطالبہ کرنے لگیں کہ قادیانی فرقے کو غیر اسلامی قرار دیا جائے۔ چنانچہ پچھلے دنوں بالآخر انڈونیشی حکومت نے ملک بھر میں قادیانیوں کو تبلیغی سرگرمیاں سے روک دیا ہے تاہم اُسے غیر اسلامی قرار دے کر اس پر پابندی نہیں لگائی۔

قبول اسلام سے قبل اپنے خاندان کو آگاہ کرنا لازمی قرار

ملائیشیا کے وزیر اعظم عبداللہ بداوی نے اسلام قبول کرنے سے قبل غیر مسلموں پر اپنے خاندان کے افراد کو آگاہ کرنا لازمی قرار دے دیا ہے۔ انہوں نے دارالحکومت پتراجایا میں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مجوزہ قانون کے تحت اسلام قبول کرنے کے خواہشمند کسی بھی غیر مسلم کو تحریری ثبوت پیش کرنا ہوگا کہ اس نے اپنے اس فیصلے کے بارے اپنے خاندان کے افراد کو آگاہ کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس فیصلے کا اثر قبول اسلام کی شرح پر پڑے گا۔ ایک مسلمان حکمران کے اپنے مغربی آقاؤں کی خوشنودی کی خاطر کیے گئے اس فیصلے پر اس کے سوا اور کیا تبصرہ کیا جا سکتا ہے کہ

ع یہ مسلماں ہیں کہ جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

دعائے مغفرت کی اپیل

- تنظیم اسلامی کے ملتزم رفیق جناب احسان الحق قریشی کے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین! قارئین اور رفقائے تنظیم اسلامی سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔